﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ ٱلظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَٰلَيْتَنِى ٱتَّخَذْتُ مَعَ ٱلرَّسُولِ سَبِيلًا ﴿٢٧﴾﴾ [الفرقان]

تقلید کا حکم

کتاب وسنت کی روشنی میں

تالیف:

ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس

مدرس ومفتی مسجد حرام وپروفیسر اُم القریٰ یونیورسٹی

مکہ مکرمہ

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا﴾

تالیف

ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس

مدرس ومفتی مسجد حرام و پروفیسر اُم القریٰ یونیورسٹی

مکہ مکرمہ

صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی

نام کتاب	:	تقلید کا حکم - کتاب وسنت کی روشنی میں
تالیف	:	ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس حفظہ اللہ
		(مدرس ومفتی مسجد حرام و پروفیسر جامعہ ام القری، مکہ مکرمہ)
سنہ اشاعت	:	ذی الحجہ 1434ھ مطابق اکتوبر 2013ء
تعداد	:	دو ہزار
ایڈیشن	:	اول
صفحات	:	176
ناشر	:	شعبۂ نشر واشاعت، صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی۔

ملنے کے پتے:

- دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی: 14-15، چوناوالا کمپاؤنڈ، مقابل بیسٹ بس ڈپو، ایل بی ایس مارگ، کرلا (ویسٹ) ممبئی-400070۔ ٹیلیفون: 022-26520077
- مکتبہ دار التراث الاسلامی: لیک پلازا، نزد مسجد دار السلام، کوسہ، ممبرا تھانہ-400612
- مسجد دار التوحید: چودھری کمپاؤنڈ، واونجہ پالا روڈ، واونجہ، تعلقہ پنویل، ضلع رائے گڈھ-410208۔ فون: 9773026335
- مرکز الدعوۃ الاسلامیۃ والخیریۃ، بیت السلام کمپلیکس، نزد المدینۃ انگلش اسکول، مہاڈ ناکہ، کھیڈ، ضلع: رتناگری-415709، فون: 02356-264455
- شعبۂ دعوت وتبلیغ جماعت المسلمین مھسلہ، ضلع رائے گڈھ-402105
- جمعیت اہل حدیث ٹرسٹ، بھیونڈی: 226526 / 225071

آئینہ مضامین

عرض ناشر

کتاب وسنت کے نصوص میں جابہ جا اللہ عزوجل کے ساتھ رسول گرامی ﷺ کی مطلق اطاعت واتباع کا حکم دیا گیا ہے، اور مختلف انداز و اسلوب اور پیرائے میں اس کی اصالت اور حقیقت کو سمجھایا گیا ہے، نیز اس پر رحمت، دخول جنت، ہدایت یابی کی ضمانت، انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی صحبت ورفاقت کا مزدہ سنایا گیا ہے اور رسول گرامی ﷺ کی اطاعت واتباع کو اللہ کی اطاعت سے تعبیر کیا گیا ہے، اسی طرح اس سے سرفرازمندوں سے فوز عظیم اور فلاح و کامرانی کا وعدہ کیا گیا ہے اور اس کے برعکس آپ ﷺ کو قولاً یا عملاً مطلق مقتدا و مطاع تسلیم نہ کرنے والوں کو جہنم، عذاب الیم، عذاب مہین، عقاب شدید، ضلال مبین وغیرہ کی وعید سنائی گئی ہے نیز ان سے ایمان کی نفی کر کے کفر سے متصف کیا گیا اور اعمال کی بربادی کا الٹیمیٹم دیا گیا ہے، وغیرہ۔ [1]

کتاب وسنت کی ان تصریحات کا مقصود رسول اللہ ﷺ کے اقوال وفرمودات اور افعال واحوال کی حیثیت کو واضح کرنا ہے کہ یہ شان عظمت آپ ﷺ کی ذات مبارکہ کے ساتھ مختص ہے، آپ کے علاوہ کسی فرد بشر کی حیثیت خواہ وہ علم وفضل، تقوی وطہارت، عبادت وریاضت اور رجوع وانابت وغیرہ میں کتنا ہی فائق و برتر کیوں نہ ہو آپ جیسی نہیں ہو سکتی، اور اگر کوئی شخص قول یا عمل سے اس عقیدہ ونظریہ کا حامل ہے تو اسے چاہئے کہ اپنے ایمان پر نظر ثانی اور اس کی تجدید کرے۔

نصوص کتاب وسنت کے اس تناظر میں اگر ہم دیکھیں تو یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ مروجہ لفظ "تقلید"

---

(۱) ملاحظہ فرمائیں: سورۃ آل عمران: ۳۲، ۱۳۱، ۱۳۲ اور سورۃ النساء: ۱۳، ۱۴، ۵۹، ۶۵، ۶۹، ۷۹، ۸۰ وسورۃ المائدۃ: ۹۲ وسورۃ الانفال: ۱، ۲۴، ۴۶ وسورۃ النور: ۵۱، ۵۲، ۵۶، ۵۴، ۶۳ وسورۃ الاحزاب: ۳۶، ۷۰، ۷۱ وسورۃ محمد: ۳۳ وسورۃ الفتح: ۷۱ وسورۃ الحشر: ۷ وسورۃ التغابن: ۱۲ اور سورۃ الحجرات: ۱۔ اور احادیث کے لئے کتب سنت کا مراجعہ فرمائیں۔

اپنے تمام تر معانی، تعریفات و اطلاقات اور عملی صورتحال نیز اس کے نتیجہ میں ہونے والی فتنہ سامانیوں کے سبب بلاشبہ شریعت اسلامیہ میں ایک شجرۂ ممنوعہ ہے جس کا انجام کار وہی کچھ ہے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اپنے فرمودات میں واضح کیا ہے۔ کیونکہ اتباع و تقلید اپنی تعریف اور حقیقت کی روشنی میں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ تقلید کی اصطلاحی تعریف میں فرماتے ہیں:

"ما اعتقده المرء بغير برهان صح عنده... لأن بعض من دون النبي ﷺ قاله"۔ (۱)

تقلید یہ ہے کہ آدمی کسی چیز کا عقیدہ بغیر کسی صحیح دلیل کے محض نبی کریم ﷺ سے کمتر کسی شخص کے کہنے کی بنا پر رکھ لے۔

حافظ خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"التَقْلِيد هوَ: قَبولُ القَوْلِ مِنْ غَيْرِ دَلِيلٍ"۔ (۲)

بلا دلیل بات قبول کر لینا تقلید ہے۔

علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"هوَ الْعَمَلُ بِقَوْلِ الْغَيْرِ مِنْ غَيْرِ حجَةٍ، فَيَخْرُجُ الْعَمَلُ بِقَوْلِ رَسولِ اللهِ ﷺ، وَالْعَمَلُ بِالْإِجماعِ، وَرَجوعُ الْعَامِيِ إِلَى المفْتِي، وَرَجوعُ الْقَاضِي إِلَى شَهَادَةِ الْعَدولِ، فَإِنَّهَا قَدْ قَامَتِ الحجَةُ فِي ذَلِكَ"۔ (۳)

بلا حجت غیر کی بات پر عمل کر لینا تقلید ہے۔ اس سے قول رسول پر عمل کرنا، اجماع پر عمل کرنا، عامی کا مفتی سے رجوع کرنا اور قاضی کا عادل گواہوں کی طرف رجوع کرنا خارج ہے کیونکہ ان میں حجت قائم ہو چکی ہے۔

---

(۱) الاحکام فی اصول الاحکام، از علامہ ابن حزم، الباب السادس والثلاثون فی ابطال التقلید 6 / 60۔

(۲) الفقیہ والمتفقہ للخطیب البغدادی 2 / 128۔

(۳) ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، از علامہ شوکانی 2 / 239۔

ابو حامد غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"التَّقْلِيدُ هُوَ قَبُولُ قَوْلٍ بِلَا حُجَّةٍ، وَلَيْسَ ذَلِكَ طَرِيقًا إِلَى الْعِلْمِ لَا فِي الْأُصُولِ وَلَا فِي الْفُرُوعِ"۔(1)

کسی بات کو بلا حجت قبول کر لینا تقلید ہے، اور تقلید علم کا راستہ نہیں ہے اصول میں نہ ہی فروع میں۔

معلوم ہوا کہ تقلید بلا حجت و برہان کسی بات کو مان لینے کا نام ہے۔

جبکہ اتباع دلیل وسلطان اور حجت و برہان کو ماننے کا نام ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ [الاعراف:3]۔

تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور اللہ تعالی کو چھوڑ کر من گھڑت سرپرستوں کی اتباع مت کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت پکڑتے ہو۔

نیز ارشاد ہے:

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ [الانعام:106]۔

آپ خود اس طریق پر چلتے رہئے جس کی وحی آپ کے رب تعالی کی طرف سے آپ کے پاس آئی ہے، اللہ تعالی کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور مشرکین کی طرف خیال نہ کیجئے۔

نیز ارشاد ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ [الاعراف:203]۔

آپ فرما دیجئے! کہ میں اس کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے حکم بھیجا

(1) المستصفی 4/139۔

گیا ہے یہ گویا بہت سی دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ وحی الٰہی اور اللہ کی نازل کردہ شریعت دلیل و برہان اور حجت ہے جس کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ آخری آیت کریمہ میں اللہ نے انہیں "بصائر" جیسے جامع اور بلیغ لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

اسی لئے اہل علم دلیل و برہان کی اصالت ملحوظ رکھتے ہوئے اتباع کی تعریف میں کہتے ہیں:

"الِاتِّبَاعُ مَا ثَبَتَ عَلَيْهِ حُجَّةٌ ... كُلُّ مَنْ أَوْجَبَ عَلَيْكَ الدَّلِيلُ اتِّبَاعَ قَوْلِهِ فَأَنْتَ مُتَّبِعُهُ وَالِاتِّبَاعُ فِي الدِّينِ مَسُوغٌ وَالتَّقْلِيدُ مَمْنُوعٌ"۔ (۱)

اتباع اسے کہتے ہیں جس پر حجت ثابت ہو۔ ہر وہ شخص جس کی اتباع تم پر دلیل کے ذریعہ واجب ہو اگر اس کی اتباع کرو گے تو اس کے متبع کہلاؤ گے، اور اتباع دین میں جائز ہے اور تقلید منع ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دلیل وسلطان اور حجت و برہان کا مطالبہ اور اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے اور یہ تقلید کے خلاف ہے، چنانچہ اللہ عزوجل نے کئی مقامات پر دلیل و حجت کا مطالبہ کیا ہے، ارشاد باری ہے:

إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدَىٰ ﴿٢٣﴾ [النجم:23]۔

دراصل یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں اللہ نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔ یہ لوگ تو صرف اٹکل کے اور اپنی نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اور یقیناً ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔

---

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ ص/993۔

نیز ارشاد ہے:

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ [البقرۃ:111 والنمل:64]۔

ان سے کہو کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی دلیل تو پیش کرو۔

نیز ارشاد ہے:

اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ [یونس:68]۔

تمہارے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں۔ کیا اللہ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کا تم علم نہیں رکھتے۔

نیز اس آخر الذکر آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اگر دلیل نہ ہو تو وہ جہالت اور لاعلمی ہے، لہٰذا دلیل کے فقدان کے باعث تقلید بھی علم نہیں ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إنَّ العِلْمَ مَاقَامَ عَلَيْهِ الدَّلِيلُ"۔ (۱)

علم وہ ہے جس پر دلیل قائم ہو۔

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"فَإنَّ التَّقْلِيدَ المذكُورَ لا يفيدُ عِلْمًا"۔ (۲)

ذکر کردہ تقلید علم کا فائدہ نہیں دیتی۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لَا يجوزُ الْفَتْوَى بِالتَّقْلِيدِ، لِأنَّهُ لَيسَ بِعِلْمٍ، وَالْفَتْوَى بِغَيْرِ عِلْمٍ حَرَامٌ، وَلَا خِلَافَ بَيْنَ النَّاسِ أنَّ التَّقْلِيدَ لَيسَ بِعِلْمٍ، وَأنَّ المقَلِّدَ لَا يُطْلَقُ عَلَيْهِ

(۱) مجموع الفتاوی ،6/388۔

(۲) مجموع الفتاوی 20/16۔

اسمُ عَالِم"۔(۱)

تقلید سے فتویٰ دینا جائز نہیں، کیونکہ تقلید علم نہیں ہے، اور علم کے بغیر فتویٰ حرام ہے۔ اور لوگوں میں کوئی اختلاف نہیں کہ تقلید علم نہیں ہے، نہ ہی اس بات میں کہ مقلد کو عالم کا نام نہیں دیا جاسکتا۔

نیز فرماتے ہیں:

"وَالتَقلِيدُ لَيسَ بِعِلمٍ بِاتِفَاقِ أَهلِ العِلمِ"۔(۲)

باتفاق اہل علم تقلید علم نہیں ہے۔

اب چونکہ امت اسلامیہ کو حجت و برہان اور دلیل وعلم کی روشنی میں عمل کا حکم دیا گیا ہے اور تقلید علم نہیں ہے' اس لئے اس مسئلہ میں اہل علم کے یہاں اختلاف رونما ہوا کہ تقلید کا کیا حکم ہے' جب کہ وہ علم نہیں ہے؟ اصول فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں اہل علم کی مجموعی طور پر تین رائیں ہیں:

۱۔ تقلید واجب ہے: یعنی ایک عامی جاہل شخص پر اپنے عالم یا مفتی کا قول وقرار قبول کرنا واجب ہے، دلیل کا سوال نہیں کرسکتا یا یہ کہ اس کے حق میں مفتی کا قول ایک حجت اور دلیل شرعی کے درجہ میں ہے۔

۲۔ اتباع واجب ہے: یعنی تقلید جائز نہیں، اور فتوی طلب کرنے والے کے لئے فتویٰ کی دلیل کی معرفت ضروری ہے، کم ازکم دلیل یا اتنا پوچھنا ضروری ہے کہ کیا یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے؟۔

۳۔ اتباع واجب ہے، البتہ اضطراری صورت میں تقلید بھی جائز ہے۔

لیکن ان تینوں آراء میں سے پہلی رائے یعنی "تقلید کا وجوب" نصوص کتاب وسنت سے متصادم

---

(۱) إعلام الموقعين عن رب العالمين، 1 / 36۔

(۲) إعلام الموقعين عن رب العالمين، 2 / 130۔

ہے، کیونکہ نصوص کتاب وسنت اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ پوری امت پر اطاعت واتباع واجب ہے نہ کہ "تقلید"! بایں صورت تقلید جو کہ علم نہیں ہے کی حیثیت اسلام میں کتاب وسنت سے مقابلہ آرائی اور ایک شجرۂ ممنوعہ خبیثہ کی سی ہوگی جس سے کسی خیر کی امید نہیں کی جا سکتی۔ إن الظن لایغنی من الحق شیئاً۔

رہی دوسری رائے تو وہ کتاب وسنت کے منشا ومقصود کے عین مطابق ہے۔

رہی تیسری اور آخری رائے تو وہ بھی اپنی جگہ درست ہے سوائے اضطراری صورت میں تقلید کی گنجائش یعنی عامی (جاہل) آدمی کے حق میں تقلید کے جواز کا مسئلہ۔

عام جاہل آدمی کے اس مسئلہ کا جواب دیتے ہوئے اور اس کی صورت وحیثیت واضح کرتے ہوئے علامہ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فالتقليد كله حرام في جميع الشرائع، أولها عن آخرها من التوحيد والنبوة والقدر والإيمان والوعيد والإمامة والمفاضلة وجميع العبادات والأحكام.
فإن قال قائل: فما وجه قوله تعالى: فَسْـَٔلُوٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ [النحل:43] ؟ قيل له وبالله تعالى التوفيق: إنه تعالى أمرنا أن نسأل أهل العلم عما حكم به الله تعالى في هذه المسألة، وما روي عن رسول الله ﷺ فيها ولم يأمرنا أن نسألهم عن شريعة جديدة يحدثونها لنا من آرائهم! وقد بين ذلك ﷺ بقوله: فليبلغ الشاهد الغائب"۔ (1)

چنانچہ اول تا آخر توحید، نبوت، تقدیر، وعید، امامت، مفاضلت اور تمام احکام وعبادات میں تقلید تمام شریعتوں میں حرام ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ: تب فرمان باری تعالیٰ: فَسْـَٔلُوٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ [النحل:43]؟ (پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو) کا کیا معنیٰ ہے؟ تو اللہ کی توفیق سے اس کا جواب یہ

(1) الاحکام فی أصول الاحکام لابن حزم 6/151۔

ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے ہمیں اہل علم سے یہ پوچھنے کا حکم دیا ہے کہ "اس مسئلہ میں اللہ کا کیا حکم ہے اور رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں کیا مروی ہے؟" ہمیں یہ حکم نہیں دیا ہے کہ ہم ان سے کسی نئی شریعت کے بارے میں سوال کریں اور وہ ہمیں اپنی عقل وراے سے جواب دیں!! اور آپ ﷺ نے یہ بات پہلے ہی بیان فرمادی ہے: "جو حاضر ہے وہ غائب (غیر حاضر) کو پہنچا دے"۔

آگے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فإن قال قائل: فكيف يصنع العامي إذا نزلت به النازلة؟ قال أبو محمد: فالجواب وبالله تعالى التوفيق: "إنا قد بينا تحريم الله تعالى للتقليد جملة، ولم يخص الله تعالى بذلك عاميا من عالم، ولا عالما من عامي، وخطاب الله تعالى متوجه إلى كل أحد، فالتقليد حرام على العبد المجلوب من بلده، والعامي، والعذراء المخدرة، والراعي في شعف الجبال، كما هو حرام على العالم المتبحر، ولا فرق. والاجتهاد في طلب حكم الله تعالى ورسوله ﷺ في كل ما خص المرء من دينه لازم لكل من ذكرنا، كلزومه للعالم المتبحر ولا فرق. فمن قلد من كل من ذكرنا فقد عصى الله عز وجل وأثم. ولكن يختلفون في كيفية الاجتهاد فلا يلزم المرء منه إلا مقدار ما يستطيع عليه لقوله تعالى: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا [البقرة:286] ولقوله تعالى: فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ [التغابن:16] والتقوى كله هو العمل في الدين بما أوجبه الله تعالى فيه. ولم يكلفنا تعالى منه إلا ما نستطيع فقط، ويسقط عنا ما لا نستطيع. وهذا نص جلي على أنه لا يلزم أحدا من البحث على ما نزل به في الديانة إلا بقدر ما يستطيع فقط، فعلى كل أحد حظه من الاجتهاد ومقدار طاقته منه،

فاجتهاد العامي إذا سأل العالم على أمور دينه فأفتاه أن يقول له: هكذا أمر الله ورسوله؟ فإن قال له: نعم، أخذ بقوله، ولم يلزمه أكثر من هذا البحث. وإن قال له: لا، أو قال له: هذا قولي، أو قال له: هذا قول مالك أو ابن القاسم أو أبي حنيفة أو أبي يوسف أو الشافعي أو أحمد أو داود أو سمى له أحدا من صاحب أو تابع فمن دونهما غير النبي ﷺ، أو انتهره، أو سكت عنه، فحرام على السائل أن يأخذ بفتياه. وفرض عليه أن يسأل غيره من العلماء، وأن يطلبه حيث كان. إذ إنما يسأل المسلم من سأل من العلماء عن نازلة تنزل به ليخبره بحكم الله تعالى وحكم محمد ﷺ في ذلك وما يجب في دين الإسلام في تلك المسألة، ولو علم أنه يفتيه بغير ذلك لتبرأ منه وهرب عنه"۔[1]

اگر کوئی کہے کہ: اگر ایک عام جاہل آدمی کو کوئی مسئلہ درپیش ہو جائے تو وہ کیا کرے گا؟ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ کی توفیق سے اس کا جواب یہ ہے کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تقلید کو بالجملہ حرام قرار دیا ہے، اور اس میں کسی عالم اور عامی جاہل کی کوئی تفریق وتخصیص نہیں کیا ہے، بلکہ اللہ کا خطاب سب کے لئے عام ہے۔ بنابریں جیسے ایک متبحر عالم کے لئے تقلید حرام ہے ویسے ہی ایک غلام، عامی (جاہل)، پردہ نشین خاتون، اور پہاڑ کی چوٹی پر چرواہے کے لئے بھی حرام ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں! اور اپنے دینی امور میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم وفیصلہ کے حصول کے لئے اجتہاد اور کوشش کرنا جیسے ایک متبحر عالم پر لازم ہے ویسے ہی مذکورہ لوگوں پر بھی لازم اور ضروری ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں! لہٰذا مذکورہ لوگوں میں سے جو بھی کسی کی تقلید کرے گا اللہ کا نافرمان اور گنہ گار ہوگا۔ ہاں! البتہ یہ تمام لوگ اجتہاد کی کیفیت میں مختلف ہوں گے،

(۱) الاحکام فی أصول الاحکام لابن حزم 6/ 151-152۔

کیوں کہ آدمی پر اتنا ہی لازم ہوتا ہے جتنا اس کے بس اور طاقت میں ہو، چنانچہ ارشاد باری ہے: لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ [البقرۃ:286] (اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا) نیز ارشاد ہے: فَاتَّقُوا اللهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ [التغابن:16] (اپنی استطاعت بھر اللہ سے ڈرتے رہو) اور "تقویٰ" مکمل طور پر اللہ کے واجب کردہ طریقہ کے مطابق اللہ کے دین پر عمل کرنے کا نام ہے، اور اللہ نے ہمیں بس اتنا ہی مکلف کیا ہے جس کی ہمیں طاقت ہے، اور جو ہماری استطاعت میں نہیں وہ ہم سے ساقط ہے۔ یہ اس باب میں نہایت واضح اور دوٹوک نص ہے کہ دین کی بابت اگر کسی کو کوئی مسئلہ درپیش ہو جائے تو اس پر اتنی تلاش وجستجو لازم ہے جتنی اس کے بس اور طاقت میں ہے، لہٰذا ہر ایک پر اپنی اپنی طاقت کے مطابق اجتہاد کا حصہ ضروری ہے۔ اور ایک عامی جاہل کا اجتہاد یہ ہے کہ جب کسی عالم سے اپنے دینی مسائل دریافت کرے اور وہ اسے فتویٰ دے تو اس سے پوچھے کہ "کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم وفیصلہ یہی ہے؟" اگر وہ کہے: ہاں! تو اس کی بات لے لے، اس پر اس سے زیادہ تحقیق وجستجو ضروری نہیں ہے۔ اور اگر کہے: نہیں، یا کہے کہ یہ میرا قول ہے، یا کہے کہ یہ امام مالک، یا ابن القاسم، یا ابوحنیفہ، یا ابو یوسف، یا شافعی، یا احمد، یا داود کا قول ہے، یا نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی صحابی یا تابعی وغیرہ کا نام لے، یا اسے جھڑک دے، یا خاموش رہے! تو سائل کے لئے ایسے مفتی کا فتویٰ لینا حرام ہے۔ اور اس پر فرض ہے کہ اس کے علاوہ کسی عالم سے فتویٰ دریافت کرے اور جہاں بھی ممکن ہو اس کی تلاش کرے، کیونکہ ایک مسلمان جب کسی عالم سے اپنے کسی درپیش مسئلہ کی بابت سوال کرتا ہے تو اس لئے کرتا ہے تاکہ وہ اسے اس مسئلہ میں اللہ عزوجل کا حکم اور رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ بتلائے اور اس سلسلہ میں دین میں کیا واجب ہے اس کی رہنمائی کرے۔ اب اگر اسے معلوم ہو کہ وہ اس کے علاوہ سے فتویٰ دے رہا ہے تو اس سے براءت کرلے اور وہاں سے نکل جائے۔

علامہ کی بات کا مقصود یہ ہے کہ عامی سوال کرنے کا مکلف ہے اور مفتی کو چاہیئے کہ وہ کتاب وسنت کی روشنی میں مسئلہ کا جواب دے، اپنی طرف سے یا بے دلیل وبرہان کوئی بات نہ کہے۔ اور دلیل کے مطابق عمل کرنا اتباع ہے نہ کہ تقلید۔ اور یہ کہ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ [النحل:43] پر عامی جاہل آدمی کا عمل کرنا تقلید نہیں ہے، اسے تقلید نہیں کہا جاسکتا کیونکہ سوال کا حکم دیا گیا ہے، اور عامی کتاب وسنت کے مطابق جواب کے لئے سوال کر رہا ہے، اور وہ علم ودلیل ہے، لہٰذا وہ اتباع ہے۔ اور اگر کوئی کیفیت کی بنا پر اسے تقلید بھی کہتا ہے تو وہ ایک انفرادی صورت ہوگی کہ وہ عام جاہل شخص چونکہ خود براہ راست مسئلہ اور اس کی دلیل واستدلال نہیں سمجھ سکتا لہٰذا دوسرے کسی صاحب علم سے مسئلہ دریافت کرنے پر مجبور ہوگیا' ورنہ حقیقت میں وہ اتباع ہے۔ یا پھر لغوی طور پہ لفظ "تقلید" کا اطلاق کیا گیا ہو، جیسا کہ اہل علم بالخصوص امام شافعی رحمہ اللہ سے بارہا وارد ہے۔

نیز یہ کہ عامی جاہل اگر اتنا بھی پوچھ لے کہ کیا یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے؟ اور مفتی ہاں کہہ دے تو کافی ہے۔ لیکن بلا دلیل عمل کرنا یعنی تقلید جائز نہیں ہے خواہ کوئی بھی ہو۔

یہی وجہ ہے کہ علماء محققین بالخصوص ائمہ اربعہ رحمہم اللہ نے ہمیشہ تقلید کی تردید ومذمت فرمائی ہے اور اپنے ماننے والوں کو اس سے منع کیا ہے اور ٹھوس دلائل وبراہین سے متعلقہ شبہات کا ازالہ فرمایا ہے، جیسے فخر الاندلس علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الاحکام فی اصول الاحکام" میں (۱) نہایت شرح وبسط کے ساتھ تقلید کی تردید ومذمت فرمائی ہے اور شبہات کا ازالہ کیا ہے، اسی طرح حافظ الاندلس علامہ ابن البر نمری قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "جامع بیان العلم وفضلہ" میں (۲) تقلید کی مذمت فرمائی ہے اور علم واتباع کے وجوب کو واضح فرمایا ہے، اور علامہ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے تو اپنی مایہ ناز کتاب "اعلام الموقعین عن رب العالمین" میں تقلید وجمود کی مذمت، اس کی قباحت وشناعت اور مقلدین کے بودے دلائل وشبہات کی بیخ کنی میں وہ عظیم شاہکار انجام دیا ہے۔ جس کی

---

(۱) الاحکام فی اصول الاحکام لابن حزم،6/ 59-182، (باب چھتیس: ابطال تقلید)۔

(۲) دیکھئے:3/ 975-997، باب فساد التقلید ونفیہ۔

مثال نہیں ملتی (۱)، چنانچہ آپ نے مقلد وصاحب حجت (متبع) کے مابین ایک مناظرہ قائم کیا ہے اور اسی (۸۰) مستحکم ومدلل وجوہات سے تقلید اور مقلدین کے تاروپود بکھیرے ہیں، فجزاہ اللہ خیراً۔ (۲)

پھر اسی کی روشنی میں دیگر علماء کرام نے بھی تقلید واتباع کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری نبھائی ہے، جیسے علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے "القول المفید" میں (۳)، علامہ فلانی رحمہ اللہ نے "إیقاظ ھمم أولی الابصار" میں (۴)، علامہ نواب صدیق حسن رحمہ اللہ نے نہایت تفصیل کے ساتھ "الدین الخالص" میں (۵) اور علامہ شنقیطی رحمہ اللہ نے "أضواء البیان" میں (۶)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مسئلہ میں حجت و برہان ہو تو اس حجت و برہان کی بنیاد پر اس پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں، خواہ رہنمائی کرنے والا کوئی بھی عالم دین ہو، اور وہ تقلید نہیں بلکہ علم ودلیل اور

---

(۱) اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں:

"وَقَدْ أَطَلْنَا الْكَلَامَ فِي الْقِيَاسِ وَالتَّقْلِيدِ، وَذَكَرْنَا مِنْ مَآخِذِهِمَا وَحُجَجِ أَصْحَابِهِمَا وَمَا لَهُمْ وَعَلَيْهِمْ مِنَ الْمَنْقُولِ وَالْمَعْقُولِ مَا لَا يَجِدُهُ النَّاظِرُ فِي كِتَابٍ مِنْ كُتُبِ الْقَوْمِ مِنْ أَوَّلِهَا إِلَى آخِرِهَا، وَلَا يَظْفَرُ بِهِ فِي غَيْرِ هَذَا الْكِتَابِ أَبَدًا، وَذَلِكَ بِحَوْلِ اللهِ وَقُوَّتِهِ وَمَعُونَتِهِ وَفَتْحِهِ؛ فَلَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ" [اعلام الموقعین، 4/ 36]۔

ہم نے قیاس اور تقلید کے سلسلہ میں لمبی گفتگو کی ہے، اور ان دونوں کے مآخذ اور ان کے قائلین کے دلائل اور ان کے مالہم وماعلیہم کو منقول ومعقول سے اس طرح لکھا ہے کہ دیکھنے والا اول تا آخر قوم کی کتابوں میں سے کسی کتاب میں ویسا نہیں پاسکتا، اور اس کتاب کے علاوہ اسے اور کہیں نہیں مل سکتا، اور یہ محض اللہ کے اختیار، اس کی قوت اور اس کی فتح ونصرت کا نتیجہ ہے، لہٰذا وہی حمد وثنا اور احسان مندی کے لائق ہے۔

(۲) دیکھئے: اعلام الموقعین عن رب العالمین، 3/ 447 تا 4/ 36، ایڈیشن بتحقیق شیخ مشہور آل سلمان۔

(۳) دیکھئے: "القول المفید فی أدلۃ الاجتہاد والتقلید" و"إرشاد الفحول إلی تحقیق الحق من علم الأصول" ص: 1081-1109۔

(۴) دیکھئے: إیقاظ ھمم أولی الابصار، از علامہ فلانی رحمہ اللہ۔ علامہ البانی رحمہ اللہ اس کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وھو کتاب فذٌ في بابه، یجب علی کل محبٍ للحق أن یدرسه دراسة تفھم وتدبر" [صفة صلاة النبي ﷺ (أصل) 1/ 30]۔

یہ اپنے موضوع پر نہایت یگانہ روزگار کتاب ہے، ہر حق پسند کو چاہئے کہ فہم وتدبر سے اس کا مطالعہ کرے۔

(۵) دیکھئے: الدین الخالص، 4/ 73-289، باب فی رد بدعات التقلید۔

(۶) دیکھئے: أضواء البیان، 7/ 517-618، تیسرا مسئلہ، در تفسیر سورۂ محمد آیت: ۲۴۔

اتباع ہے، قابل مذمت یہ ہے کہ بلا حجت و دلیل کسی کی بات قبول کر لی جائے، علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”أَمَّا التَّقْلِيدُ الْبَاطِلُ الْمَذْمُومُ فَهُوَ: قَبُولُ قَوْلِ الْغَيْرِ بِلَا حُجَّةٍ“۔ (۱)

باطل اور مذموم تقلید یہ ہے کہ دوسرے کی بات بلا دلیل و حجت تسلیم کر لی جائے۔

اور یہ ساری باتیں اس صورت میں ہیں جب اندھی تقلید نہ ہو، اگر اندھی تقلید ہو، یعنی کتاب وسنت کی وضاحت کے باوجود کوئی شخص کسی امتی کی بات کو قبول و تسلیم کرے اور اسے ترک کرنے پر آمادہ نہ ہو تو یہ اندھی تقلید ہے، جیسا کہ ائمہ مذاہب اربعہ کے بعض مقلدین بسا اوقات کرتے ہیں، تو یہ چیز سراسر ناجائز اور حرام ہوگی، اور اسی سے تمام ائمہ متبوعین نے اپنے ماننے والوں کو شدت سے منع کیا ہے۔

اسی سلسلہ میں گفتگو کرتے ہوئے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ بڑی وضاحت سے فرماتے ہیں:

”وَالْمَقْصُودُ هُنَا أَنَّ التَّقْلِيدَ الْمُحَرَّمَ بِالنَّصِّ وَالْإِجْمَاعِ: أَنْ يُعَارِضَ قَوْلَ اللهِ وَرَسُولِهِ بِمَا يُخَالِفُ ذَلِكَ كَائِنًا مَنْ كَانَ الْمُخَالِفُ لِذَلِكَ“۔ (۲)

مقصود یہ ہے کہ نص و اجماع کی روشنی میں حرام تقلید یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قول کے مخالف سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قول کا معارضہ کیا جائے، خواہ مخالف کوئی بھی ہو۔

نیز فرماتے ہیں:

”التَّقْلِيدُ الَّذِي حَرَّمَهُ اللهُ وَرَسُولُهُ وَهُوَ: أَنْ يَتَّبِعَ غَيْرَ الرَّسُولِ فِيمَا خَالَفَ فِيهِ الرَّسُولَ وَهَذَا حَرَامٌ بِاتِّفَاقِ الْمُسْلِمِينَ عَلَى كُلِّ أَحَدٍ؛ فَإِنَّهُ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ وَالرَّسُولُ طَاعَتُهُ فَرْضٌ عَلَى كُلِّ أَحَدٍ

(۱) مجموع فتاوی ابن تیمیہ 20/15، و 4/197۔

(۲) مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ 19/262۔

مِنَ الخَاصَّةِ وَالعَامَّةِ فِي كُلِّ وَقْتٍ وَكُلِّ مَكَانٍ؛ فِي سِرِّهِ وَعَلَانِيَتِهِ وَفِي جَمِيعِ أَحْوَالِهِ"۔(۱)

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی حرام کردہ تقلید یہ ہے کہ کوئی غیر رسول کی اتباع ان چیزوں میں کرے جن میں وہ رسول ﷺ کے خلاف ہو! یہ عمل مسلمانوں کے متفقہ فیصلہ کے مطابق ہر ایک شخص پر حرام ہے، کیونکہ خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہے، اور رسول ﷺ کی اطاعت واتباع ہر خاص وعام پر، ہر وقت، ہر جگہ، پوشیدہ وظاہر اور تمام احوال میں فرض ہے۔

بہر حال زیر نظر کتاب "تقلید کا حکم، کتاب وسنت اور آثار سلف کی روشنی میں" عالم اسلام کی معروف علمی شخصیت ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس حفظہ اللہ کی اپنے موضوع پر نہایت مدلل، علمی، تحقیقی اور موضوع کے تمام گوشوں پر محیط ایک شاہکار تالیف ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت تعارف وتذکرہ کی محتاج نہیں ہے، آپ اپنی علمی ڈگریوں کے رسائل وتحقیقات کے علاوہ متعدد علمی وتحقیقی کتابوں کے مصنف ہیں، آپ کی علمی وتحقیقی نظر مسلم ہے، بالخصوص حدیث وعلوم حدیث اور علم علل ورجال میں آپ گہری بصیرت رکھتے ہیں، بیسوں سال سے مسجد حرام مکہ مکرمہ کے مدرس ومفتی اور ساتھ ہی عالمی یونیورسٹی "جامعہ ام القریٰ" مکہ کے پروفیسر ولیکچرر ہیں، قبلۃ الاسلام حرم مکی کے دامن میں بیٹھ کر پوری دنیا میں علوم کتاب وسنت کی خالص منہجی دعوت کی نشر واشاعت میں منہمک ہیں اور وقتاً فوقتاً سعودی عرب اور خلیج کے علاوہ ایشیا اور یورپ وغیرہ کے مختلف ممالک کے دعوتی دورے کر کے لوگوں کی علمی پیاس بجھاتے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کو صحت وعافیت سے نوازے، علم وعمل سے لبریز لمبی عمر عطا فرمائے اور دعوت کتاب وسنت کے تئیں آپ کی کوششوں کو قبول فرمائے، آمین۔

کتاب دراصل ڈاکٹر صاحب نے عربی میں تالیف کی تھی، بعد میں اردو خواں طبقہ کی ضرورت کو

(۱) مجموع فتاوی ابن تیمیہ، 19/ 260۔

مدنظر رکھتے ہوئے اسے اردو میں منتقل فرمایا، الحمدللہ کتاب اپنے علمی وزن کے سبب عربی واردو دونوں زبانوں میں یکساں مقبول ہوئی۔ فجزاہ اللہ خیراً

یہ صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کی خوش بختی ہے کہ امیر محترم شیخ عبدالسلام صاحب سلفی حفظہ اللہ نے عمرہ کے ایک سفر میں مکہ مکرمہ میں ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی اور مختلف دعوتی وعلمی موضوعات پر گفتگو اور تبادلہ خیال کے بعد جب اس کتاب کے مشمولات کو دیکھ کر اس کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر صوبائی جمعیت سے طبع ونشر کی خواہش ظاہر کی، تو ڈاکٹر صاحب نے خوشی کا اظہار کیا اور تحریری اجازت مرحمت فرمائی، فجزاہ اللہ خیراً۔ نیز اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے امیر محترم حفظہ اللہ کو جنہوں نے ملک میں پھیلے ہوئے تقلیدی جراثیم اور متعصبانہ عناصر جو دعوت حق توحید وسنت کی راہ میں حائل ہی نہیں بلکہ کلیدی سد راہ بنے ہوئے ہیں، کی بیخ کنی کی ضرورت اور نتیجۂ توحید وسنت کی نشر واشاعت کی اہمیت کو محسوس کیا اور اس قیمتی رسالہ کی طباعت کے لئے کوشاں ہوئے، ساتھ ہی کتابت وطباعت کے تمام مراحل میں اس کے ظاہری ومعنوی حسن وجمال کے لئے حد درجہ فکرمند رہے، اللہ تعالیٰ اس کوشش پر انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

اخیر میں اس توفیق ارزانی پر میں اللہ تعالیٰ کا بیحد شکر گزار ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ اس رسالہ کو تقلید وتعصب، جمود وتعطل اور مذہب ومسلک اور ائمہ پرستیوں کے نام پر اسلام اور امت واحدۃ کو ٹکڑوں، فرقوں اور گروہوں ٹولیوں میں تقسیم کرنے والوں اور اتباع سنت کو ''انتشار وتفریق'' کا نام دینے والوں کے لئے بالخصوص اور تمام مسلمانوں کے لئے بالعموم نفع بخش بنائے، اور ہمیں اتباع سنت کا جویا اور خوگر بنائے، نیز اس رسالہ کے مولف ومترجم، ناشر، تمام معاونین اور صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے جملہ ذمہ داران ومتعلقین کو جزائے خیر سے نوازے، آمین۔

ممبئی، الہند: اخوکم

5/ اکتوبر 2013ء ابوعبداللہ عنایت اللہ سنابلی مدنی

(شعبہ نشر واشاعت، صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على خير خلقه محمد خاتم النبين، وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين وبعد!

ابھی چند ماہ بیشتر عمرہ کے سفر میں ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس حفظہ اللہ سے مکہ مکرمہ میں ملاقات ہوئی، بحمد اللہ ملاقات مفید رہی، بہت سارے مسائل پر بات ہوئی بالخصوص ہندوستان میں جماعتی، دعوتی اور تعلیمی امور زیادہ زیر بحث رہے۔ سلفی دعوت کے فروغ، امکانات اور رکاوٹوں پر بھی کافی باتیں ہوئیں۔ البتہ ان مجالس میں ہمارے درمیان اس بات پر اتفاق رہا کہ سلفیان ہندو سلفی دعوت کی راہ میں اصل روڑہ ورکاوٹ تقلید شخصی ہے، یہی تقلید تمام مقلدین ائمہ کے یہاں قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہے، ان کے یہاں اسی پر سارا نظام ولاء وبراء چلتا ہے، اسی تقلید کو بنیاد بنا کر ساری امت تقلید اہلحدیثوں کے خلاف ایک ہو جاتی ہے کیونکہ یہ مقلد کو مذہبی اور جو ائمہ اربعہ میں کسی کی تقلید کو شریعت وواجب نہ مانتا ہو اس کو لامذہب کہتے ہیں۔

ان کے یہاں ساری عوام کی ذہن سازی بھی اس پر ہوتی ہے، عموماً سارے مقلدین کے یہاں نکتہ اتحاد بھی یہی تقلید ائمہ ہے جسے ''مذہبیت'' کا نام دیتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ان کے یہاں (وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا) کی علمی وعملی شکل یہی ہے کہ تقلید

ائمہ پر مضبوطی سے متحد ہو جاؤ اور اس سے الگ نہ ہو۔ فالامان والحفیظ۔

اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ جب ایک دیوبندی حنفی مقلد فاتحہ خلف الامام، رفع الیدین قبل الرکوع وبعد الرکوع اور آمین بالجہر جیسے مسائل منصوصہ ثابتہ کی مخالفت کر رہا ہو، اسی اثناء میں اس سے پوچھا جاتا ہو کہ آپ ان مسنون طریقوں سے منع کرتے ہیں حالانکہ یہی عمل تو شوافع بھی کرتے ہیں، ان کے بارے میں آپ کا خیال ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے کہ شافعی بھائیوں کے لئے یہ درست ہے کیونکہ وہ امام شافعی کی تقلید میں ایسا کرتے ہیں!! یعنی اہلحدیث تقلیداً ایسا نہیں کرتے اس لئے ان کے لئے یہ عمل جائز نہیں ہے۔

یعنی اتباع سنت میں کسی بھی مسئلہ ثابتہ پر چلنا اس وقت صحیح ہوگا جب وہ کسی امام کے مذہب کے مطابق ہو، کیونکہ اصل دین پر ان کے تھرو ہی چلا جا سکتا ہے۔ جو عمل کسی امام کے تقلیدی واسطے اور سلسلے سے نہ ہو براہِ راست سنت کے حوالے سے بھی نا قابل قبول ہے۔ اسی لئے ان کے یہاں کہا جاتا ہے کہ تمہیں قرآن وحدیث سے دلیل طلب کرنے کے بجائے اپنے امام کا مسلک معلوم کرنا چاہئے۔ فالی اللہ المشتکیٰ

اللہ جانے ان کے یہاں کیا جواب ہوتا ہوگا صحابہ، تابعین اور اتباع تابعین کے بارے میں کہ خیر القرون میں یہ لوگ جب کسی کے مقلد نہ تھے تو وہ دین پر کس امام کے واسطے سے چلتے تھے؟ پھر وہ مذہبی تھے یا لامذہب تھے؟ بہر کیف تمام متعصبین مذاہب تقلید کے لئے دلی دعا ہے کہ اللہ انہیں صحابہ وتابعین اور ائمہ ہدی کی راہ پر چلنے کی توفیق دے اور کتاب وسنت جو حبل اللہ ہیں اس کو مضبوطی سے تھامنے کی توفیق دے۔

شیخ محترم نے ایک مجلس میں اپنی ایک تالیف ''تقلید کا حکم کتاب وسنت کی روشنی میں'' ہدیۃً عطا فرمائی، جسے دو سال قبل آپ نے اصلاً عربی میں تیار کیا تھا جو شائع ہو کر مقبول عوام

وخواص ہو چکی تھی۔

میں نے موضوع کی اہمیت وضرورت اور امت مسلمہ کی تقلید کے موضوع پر سنجیدہ علمی تالیف ہونے کے ناطے اور اس ناطے بھی کہ ایک مستند ومعتبر علمی شخصیت کی طرف سے مرتب کی گئی ہے جو مرکز اسلام مکہ مکرمہ میں بیٹھ کر ساری دنیا کے مسلمانوں کے دینی حالات کو عموماً جانتی ہے، صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کی طرف طبع کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ شیخ نے بخوشی تحریری اجازت دی اور زیادہ سے زیادہ عام کرنے کی تلقین فرمائی، فجزاہ اللہ خیراً۔

کتاب علمی، تحقیقی اور دعوتی ہے ہر خاص وعام کے لئے مفید ہوگی ان شاء اللہ۔ شیخ محترم سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کتاب عربی زبان میں چھپ کر آئی تو آپ نے دارالعلوم دیوبند کے دفتر اہتمام کو دو نسخے بھیجا اور ساتھ میں ایک تحریر بھی بھیجی کہ اگر اس کتاب میں ملاحظات ہوں تو لکھ کر دیں، ہم غور کریں گے یا آپ لوگ اپنے تعامل پر غور فرمائیں، لیکن اب تک کوئی جواب نہیں آیا۔ بہر کیف افادۂ عام کے لئے شعبہ نشر واشاعت صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کی طرف سے اسے شائع کیا جارہا ہے اللہ تعالیٰ اس کوشش کو امت کے لئے مفید بنائے اور اس کے مؤلف مؤقر ومعاونین اور جملہ اراکین جمعیت کے حق میں قبول فرمائے۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وبارک وسلم

اخوکم

عبدالسلام سلفی

(امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)

11/اکتوبر 2013ء

مُقَدَّمَہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ، وَنَسْتَعِينُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا، وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (سورۃ آل عمران:102)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا (سورۃ نساء:1)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ (سورۃ الاحزاب:70-71)

اللہ رب العزت نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق اور ہدایت دے کر اس لیے بھیجا تا کہ کفار کے ناچاہتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کردے، آپ پوری دنیا کی طرف بشیر ونذیر ہو کر آئے، اللہ کی کتاب اور اپنی سنت اور حدیث کو لوگوں کے سامنے بیان فرمایا، انہی دونوں کے ذریعہ ان کا تزکیہ کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت لوگ کھلی گمراہی میں تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت سے افضل الناس ہو گئے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

(الجمعہ:۲)

وہی ذات کریمہ ہے جس نے ان پڑھوں میں سے ایک رسول بھیجا جو اللہ کی آیات کی تلاوت ان کے سامنے کرتے اور تزکیہ کرتے تھے اور کتاب وحکمت یعنی سنت لوگوں کو سکھاتے تھے۔ بے شک آپ سے پہلے لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔

اس دین کو جبریل امین علیہ السلام نے اللہ رب العزت سے لے کر نبی کریم ﷺ تک پہنچایا اور نبی کریم ﷺ سے صحابہ کرام نے حاصل کیا، کتنی عالی مرتبت یہ سنت اور یہ واسطہ ہے۔ عقیدہ، عمل اور اصول وفروع میں جو کچھ نبی کریم ﷺ سے ان کو ملا سب پر عمل کیا، دین کی تصدیق کی اور اس پر عمل کرنے میں ان کا کوئی ثانی نہ ہوا، تسلیم وتصدیق کی، اس سے بڑھ کر کون سی دلیل ہوسکتی ہے کہ انہوں نے عقیدہ اور غیب کے مسائل میں ادنیٰ شک تک نہ کیا، نبی کریم ﷺ سے کیوں اور کیسے کا سوال نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کا قول مبارک:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (سورۃ طہ:۵)

رحمن عرش پر مستوی ہوا۔

سنتے اور پڑھتے تھے۔ لیکن شیطان کسی ایک کے دل میں بھی اس پر ایمان لانے اور تصدیق کرنے کے بارے میں پل بھر کے لیے وسوسہ نہ ڈال سکا۔

۲۳ رسال کے عرصے میں تمام دین کو محفوظ کیا اور اس پر عمل کیا، نبی کریم ﷺ انہیں واضح روشن راستے پر چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہوئے، ہلاک ہونے والا ہی اس سے بھٹکے گا، آپ رفیق اعلیٰ کے پاس صحابہ سے راضی ہوکر گئے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ سے تمام لوگوں کی

بہ نسبت زیادہ ڈرنے والے اور سب سے زیادہ نیک دل تھے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ (الفتح:۱۸)

یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہوگیا جب کہ وہ درخت تلے آپ سے بیعت کر رہے تھے ان کے دلوں میں جو تھا اسے اس نے معلوم کرلیا تھا اور ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ (سورۃ التوبۃ:۱۱۷)

اللہ نے توبہ قبول کی نبی ﷺ کی اور ان مہاجرین وانصار کی جنہوں نے تنگی کے وقت میں آپ ﷺ کا ساتھ دیا جب کہ ان میں ایک گروہ کا دل حق سے مائل ہوا جا رہا تھا، اللہ نے ان کی توبہ کو قبول کرلیا بے شک اللہ ان کے ساتھ رحم وکرم والا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کو مدینہ طیبہ کی مٹی میں دفن کرنے کے بعد بھی عہد سابق پر قائم رہے، ذرا بھی تبدیلی نہ آئی، اللہ ورسول ﷺ کی مکمل اتباع میں سچے اخلاص کے ساتھ انہوں نے زندگی گزاری، اللہ کے دین میں کتاب وسنت ہی کے موافق کسی کی بات کو قبول کیا، آثار رسول کے تتبع اور ان کی تلاش میں سب ایک دل کی طرح تھے، اللہ اور رسول کے درمیان کسی کو دخل نہیں کیا، اللہ اور رسول تک پہنچنے کے لیے انہوں نے کوئی دوسرا راستہ اور واسطہ نہ بنایا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (سورۃ آل عمران:۱۰۳)

اللہ کی رسی کو مل کر مضبوطی سے پکڑ لو اور فرقوں میں مت بٹو۔

کے سچے ترجمان تھے۔ تھوڑے ہی دنوں میں علم ودین کی فرمانروائی لوگوں کے دلوں اور تمام شہروں پر قائم ہوگئی، صحابہ کرام سے تابعین کرام نے علوم، عقیدہ اور عمل سیکھا، ان سے ان کے تلامذہ نے لیا۔

عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی میں کچھ ایسے لوگ ابھرے جو شرف صحبت سے مشرف نہ تھے، انہوں نے اللہ کے دین میں باطل عقائد کی ایجاد کی، اسلام دشمن فسادیوں کی تقلید میں صحابہ کرام کے عقیدے کے خلاف حکام کی اطاعت سے خروج، بعض صحابہ سے عداوت، تشیع اور رفض جیسے عقائد کے معتقد ہوئے۔ لیکن مٹھی بھر یہ لوگ چونکہ خیر القرون میں تھے اس وجہ سے اکثریت نے انہیں قبول نہ کیا، مذموم ومدحور رہے، کتاب وسنت ہی کا عقیدہ بلاد اسلام پر غالب رہا، فروعی مسائل میں بھی اگر خیر القرون میں کچھ اختلاف سامنے آیا، تو صرف اجتہادی مسائل میں جہاں کتاب وسنت کی واضح دلیل نہ پائے۔ لیکن ان میں اپنی یا کسی اور کی رائے پر تعصب اور ہٹ دھرمی ہرگز نہ رہی۔

مشاہیر ائمہ کا دور آیا، دنیا ان کے علم وفضل، صلاح وتقویٰ، تورع، اخلاص، امت کی خیر خواہی کی گواہی دیتی رہی، انہوں نے اپنے علم اور اجتہاد کے ذریعے امت کو ان کے مسائل میں رہنمائی کی۔ ان کے عہد میں تقلید، جمود اور تعصب کے بعض افکار نے جنم لینا شروع کیا تو انہوں نے سختی سے اس کا انکار کیا، اس سے منع کیا، شدت سے اس کا محاسبہ کیا، اپنے تلامذہ اور معتقدین کو تاکید کی کہ اللہ کے دین میں کسی کی تقلید نہ کریں، کتاب وسنت سے مسائل لیں، ان کے صالح اصحاب اور اتباع انہی کی نصیحت پر عامل رہے۔

امام ابو یوسف اور محمد رحمہا اللہ نے اپنے استاذ محترم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے تہائی مسائل کا

اختلاف کیا، پھر بھی وہ فرمانبردار شاگرد رہے، اللہ کے دین کی خاطر استاذ اور شاگرد کا یہ اخلاص تھا۔ان کے بعد کچھ لوگ آئے ، انہوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے خود کو کئی فرقوں میں بانٹ لیا، اور ہر ایک اپنے خیال میں خوش رہا، تعصب مذاہب ہی کو اپنا دین سمجھ بیٹھے، اسی کی تجارت کرنے لگے، اسی پر قناعت کر کے کہنے لگے:

إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ (سورۃ الزخرف: ۲۳)

ہم نے اپنے آباء واجداد کو ایک طریقے پر پایا ہے ہم توانہی کی اقتداء کریں گے۔

یہ سب لوگ صواب اور درستگی سے دور ہیں، حق کی زبان ان کے سامنے اس آیت کی تلاوت کرتی ہے:

لَّيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ ۗ مَن يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ (سورۃ النساء: ۱۲۳)

تمہاری اور اہل کتاب کی آرزوؤں سے مقصد حاصل نہ ہوگا جو برا کرے گا اسے اس کا بدلہ ملے گا۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جس کے سامنے سنت رسول ﷺ ظاہر ہوگئی اس کے لئے جائز نہیں کہ کسی کے قول کی بنا پر سنت کو چھوڑ دے۔ (۱)

یہ بات واضح ہے کہ عقیدہ اور احکام کے باب میں تقلید اور تعصب نے پرانے زمانے سے لوگوں کو مختلف فرقوں اور جماعتوں میں بانٹ رکھا ہے ہر آنے والا دن گزشتہ دن سے اچھا نظر نہیں آتا۔

زبیر بن عدی کہتے ہیں کہ ہم نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے حجاج بن یوسف کی اذیتوں کی شکایت کی، تو آپ نے فرمایا: کہ صبر کرو! کیونکہ ہر آئندہ دن پہلے سے برا ہوگا، یہاں تک کہ تم

---

(۱) اعلام الموقعین: ۱/ ۷۔

اپنے رب سے جاملو، تمہارے نبی ﷺ سے یہ بات میں نے سنی ہے۔ (1)

حقیقت یہ ہے کہ عقیدے اور مذہب کے اختلاف نے مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کر رکھا ہے کتاب وسنت کے علاوہ تعصبات کی بنا پر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی ایذا سے محفوظ نہیں۔ حکم الٰہی ہے: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (سورۃ آل عمران: ۱۰۳)

اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑلو اور فرقوں میں نہ بٹو۔

اللہ کی رسی کو چھوڑ کر لوگوں کی رسی کو سینے سے لگا رکھا ہے اسی پر دوستی اور دشمنی کی جاتی ہے، اس وجہ سے تقلید کے مسئلے میں مسلمانوں کی خیر خواہی کی خاطر ان چند اوراق کے لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ اس کتاب کا نام ''کتاب وسنت اور اقوال سلف کی روشنی میں تقلید کا حکم'' ہے، اس میں ہم نے کتاب وسنت، آثار صحابہ اور اقوال سلف سے استدلال کا التزام کیا ہے، اور یہ کتاب مقدمہ، تمہید اور بارہ (۱۲) فصول پر مشتمل ہے، اللہ رب العزت اسے اپنی بارگاہ میں قبولیت بخشے اور پھر اپنے بندوں کے درمیان بھی مقبول بنائے۔ اگر کسی بھائی کو اس میں لفظی یا معنوی غلطی نظر آئے تو مجھے تنبیہ کریں! اللہ ان کو جزائے خیر دے۔

خاص طور پر اپنے ان بھائیوں سے گزارش ہے جو صف علماء میں شمار ہیں اور کسی نہ کسی مذہب کے پابند ہیں اور پابندی کی دعوت بھی دیتے ہیں، اس کتاب کو غور سے پڑھیں، اگر انہیں اس میں کوئی بھی غلطی نظر آئے یا اصل مضمون سے اختلاف ہو تو بالدلیل مجھے خبر کریں: إن أريد إلا الإصلاح وما توفيقي إلا بالله اللہ ان کو جزائے خیر دے گا اور کسی کو اس سے ہدایت ملے تو اللہ سے مزید توفیق کی دعا کریں۔

مؤلف

---

(1) صحیح بخاری: ۱۳ / ۲۴، کتاب الفتن۔

تمہید:

تقلید کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

تقلید کی لغوی تعریف:

تقلید کے معنی کسی چیز کا لٹکانا، اور گردن میں کوئی چیز ڈالنا ہے۔

اسی معنی میں کہا جاتا ہے کہ "تقليدُ الوُلاةِ الأَعمالَ" ذمہ داروں کی گردن میں کام کی ذمہ داری لگانا یا، "تقليدُ البُدْنِ أن يُجْعَلَ في عُنُقِها شِعارٌ يُعْلَمُ به أنها هَدْيٌ" اونٹ یا گائے کی گردن میں کوئی چیز اس غرض سے لٹکانا کہ اس کے "ہدی" (قربانی کے جانور) ہونے کی پہچان ہو۔ (۱)

تقلید کی اصطلاحی تعریف:

جس شخص کی رائے حجت شرعی نہ ہو اس کو بغیر کسی دلیل کے قبول کرنا۔ (۲)

گویا بغیر دلیل کے کسی کی رائے کو قبول کرنے والے نے اس شخص کی رائے کو اپنی گردن میں لٹکا لیا۔ (۳)

تقلید کی تعریف میں بغیر کسی دلیل کے قبول کرنے کی شرط سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص کسی کی بات یا رائے کو دلیل سے قبول کرتا اور دلیل طلب کرتا ہے اُسے مقلد نہ کہا جائے گا، اس کا یہ فعل اتباع کہلائے گا۔

ہمارے استاذ علامہ محمد الامین الشنقیطی کہتے ہیں کہ فقہاء کی اصطلاح میں تقلید کی تعریف یہ

(۱) لسان العرب: ۳/ ۳۶۵ وغیرہ۔

(۲) شرح الکوکب المنیر ص: ۴۰۸۔ ارشاد الفحول ص: ۲۶۵۔

(۳) التعریفات للجرجانی ص: ۶۴۔ شرح الکوکب المنیر ص: ۴۰۸۔ ارشاد الفحول ص: ۲۶۵۔

ہے کہ کسی کے قول کو بغیر دلیل کے قبول کرنا۔ تو جان لینا چاہیے کہ غیر کے قول کا معنی اس غیر کا اپنا اجتہاد ہے، مگر جس مسئلے میں کتاب وسنت کے نصوص ہوں اس میں کسی کے قول یا مذہب کا سوال ہی نہیں، کیونکہ ہر شخص پر نصوص کی اتباع لازم ہے، اس لیے اس کا نام اتباع ہے تقلید نہیں۔ (۱)

اسی وجہ سے کتاب وسنت اور اجماع کے متبع کو مقلد نہ کہا جائے گا، کیونکہ وہ دلیل کی اتباع کر رہا ہے، فقہاء مذاہب کے کئی علماء نے اس کی تصریح کی ہے، ابن ہمام حنفی (ت:۸۶۱) کہتے ہیں: ''تقلید یہ ہے کہ بلا حجت و دلیل کسی ایسے شخص کے قول پر عمل کرنا جس کا قول حجت نہیں ہے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں۔'' (۲)

ابن امیر الحاج (ت:۸۷۹) اس کی شرح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک چاروں دلیلوں میں سے شرعی دلیل ہے۔ بعینہ اسی طرح عامی کا مفتی کے قول پر عمل اور قاضی کا گواہوں کے قول پر عمل کرنا بھی تقلید نہیں ہے، کیونکہ دونوں اگر چہ چاروں دلیلوں میں سے نہیں ہیں مگر یہ عمل دلیل کے ساتھ ہوا بلا دلیل نہیں، کیونکہ نص شرعی سے واجب ہے کہ عامی مفتی کے قول کو لے، اور قاضی سچے گواہوں کے قول کو قبول کر کے فیصلہ کرے۔'' (۳)

درحقیقت عامی کا مفتی کے قول کی دلیل جانے بغیر قبول کرنے ہی کو تقلید کہا جاتا ہے ورنہ تقلید کا خارجی وجود نہ ہوتا۔ لیکن میری رائے میں اس حالت میں تقلید اسی وقت ہوگی جب عامی کسی ایک مذہب کا پابند ہو، اگر وہ عالم بالکتاب والسنۃ کو تلاش کر کے فتوی لیتا ہے اور اگر چہ بغیر دلیل کے قبول کر لیتا ہے تو وہ اتباع ہے تقلید نہیں۔

---

(۱) مذکرۃ أصول الفقہ، ص:۴۹۰۔
(۲) التحریر فی علم الاصول: ۳/ ۴۵۳۔
(۳) التقریر والتحبیر فی علم الاصول: ۳/ ۴۵۳۔

شامی حنفی کہتے ہیں:

''قلت: وأيضاً قالوا: العامي لا مذهب له، بل مذهبه مذهب مفتيه، وعلله صاحب التحرير بأن المذهب إنما يكون لمن له نوع نظر واستدلال وبصر بالمذاهب على حسبه''.

میں کہتا ہوں کہ فقہاء نے کہا ہے کہ عامی کا کوئی مذہب نہیں اس کا مذہب اس کے مفتی کا مذہب ہے اور صاحب تحریر نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ مذہب اس شخص کے لیے ہے جسے تھوڑی بہت بصیرت ہو اور نظر واستدلال کر سکے۔ (۱)

مگر قاضی کا سچے شہود کی شہادت قبول کرنا یقیناً تقلید نہیں ہے، کیونکہ وہ دلیل پر عمل کر رہا ہے، جس میں شہود عدول کے قول کو قبول کرنے کا حکم ہے۔

فرمان باری تعالی ہے:

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى (سورۃ البقرۃ:۲۸۲)

دو مردوں کی گواہی لے لو، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں جن کی سیرت وسلوک سے تم راضی ہو، دو عورتیں اس لیے کہ اگر ایک کو نسیان ہو تو دوسری اسے یاد دلا دے گی۔

اس کے باوجود توسعاً بعض علماء نے اتباع کو تقلید کا نام دیا ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کی تقلید نہ کی جائے۔ (۲)

(۱) رد المحتار: ۲/ ۲۹۴۔

(۲) الرد علی من أخلد إلی الارض، ص: ۱۳۸۔

امام طحاوی کہتے ہیں: ''بعض لوگوں نے اس حدیث کی تقلید کی ہے، اور کہا ہے کہ گیہوں کا جو سے بیچنا جائز نہیں، الا یہ کہ دونوں کی مقدار برابر ہو۔''(۱)

یہاں امام شافعی اور طحاوی نے تقلید کے لغوی معنی کا استعمال کیا ہے ورنہ کتاب وسنت کی اتباع کو تقلید اصطلاحی نہیں کہا جائے گا۔

(۱) شرح معانی الآثار: ۴/ ۳، کتاب البیوع۔

فَصْلٌ ①

اتباع اور تقلید میں فرق

اتباع اور تقلید میں فرق

تمہید میں اس مسئلے کی طرف اشارہ گزر چکا ہے، اس فصل میں اس کی مزید توضیح مطلوب ہے، اصطلاحی اتباع اور اصطلاحی تقلید میں فرق خود ان دونوں کی تعریفوں سے واضح ہوتا ہے، اتباع شرعی یہ ہے جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں آیا ہے:

كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ (الاعراف: ۲، ۳)

یہ کتاب آپ کی طرف اتاری گئی ہے، آپ کے سینے میں اس سے تنگی نہ ہو اس لیے اتاری گئی ہے کہ آپ اس کے ذریعے لوگوں کو ڈرائیں اور مومنوں کے لیے نصیحت ہے۔ اتباع کرو اس چیز کی جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اتاری گئی ہے، اللہ کے علاوہ کسی اور کو ولی بنا کر ان کی اتباع نہ کرو، تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو۔

ان دونوں آیتوں میں اتباع اور تقلید دونوں کا ذکر ہے۔

''اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ'' اتباع کی دلیل ہے اور تقلید کی تعریف گزر چکی ہے کہ بلا دلیل کسی ایسے شخص کے قول کو قبول کیا جائے جس کا قول حجت نہیں ہے جو ''وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ'' کا مصداق ہے۔

ابن خویز منداد مالکی کہتے ہیں: تم جس کسی شخص کی بات کی اتباع کرو جس کی بات کو کسی دلیل کے بغیر قبول کرنا واجب نہیں تو تم اس کے مقلد ہوئے اور اللہ کے دین میں تقلید صحیح نہیں، اور دلیل کی بنا پر جس کی اتباع تمہارے اوپر واجب ہے اس کی اتباع کرو تو تم اس کے متبع ہوئے، اتباع دین میں جائز ہے، تقلید ممنوع ہے۔ (۱)

اسی معنی کی تعریف دیگر علماء نے بھی کی ہے، کمال ابن الہمام، ابن امیر الحاج، علامہ شنقیطی، جیسا کہ ابھی قریب ہی میں ان کے اقوال گزر چکے ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے بھی اتباع کی یہی تعریف کی ہے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ امام احمد سے میں نے سنا ہے کہ اتباع یہ ہے کہ آدمی نبی کریم ﷺ اور صحابہ سے آئے ہوئے احکام کی پیروی کرے! تابعین کے اقوال میں لوگوں کو اختیار ہے، آپ نے یہ بھی فرمایا: کہ میری یا مالک، ثوری اور اوزاعی کسی کی تقلید نہ کرو، اور جہاں سے انہوں نے (مسائل کو) لیا ہے، وہیں سے لو۔ مزید فرمایا:

''مِنْ قِلَّةِ فِقْهِ الرَّجُلِ اَنْ يُقَلِّدَ دِينَهُ الرِّجَالَ''۔

آدمی کے قلتِ فقہ کی دلیل یہ ہے کہ اپنے دین کو لوگوں کی رائے کے تابع کردے۔ (۲)

(۱) التحریر فی علم الاصول مع التقریر والتحبیر: ۳/ ۳۵۳۔

(۲) مسائل ابی داؤد، ص: ۱۱۳۔ اعلام الموقعین: ۳/ ۴۶۹۔

فَصْل ②

ائمہ عظام اور محدثین کا اپنی تقلید سے منع کرنا

ائمہ عظام اور محدثین کا اپنی تقلید سے منع کرنا

ائمہ کرام اللہ کے دین کو زیادہ جاننے والے، تقویٰ میں بھی آگے اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں پیش پیش تھے، اپنے اپنے زمانے میں ہر ایک نے امت کی خیر وصلاح میں قیادت کی۔

اللہ داد علم واجتہاد کے ذریعہ امت کے مسائل میں فتاویٰ دیتے رہے، امت ان کے ذریعے ہدایت لیتی رہی، سینکڑوں ائمہ امت میں پیدا ہوئے، سب نے اپنی اپنی حد تک دین کی خدمت کی، یہ بات متفق علیہ ہے کہ ائمہ کے لئے غلطی اور صواب دونوں صورتوں میں اجر ہے، صواب کی صورت میں دو اجر اور غلطی کی صورت میں اجتہاد کا ایک اجر ضرور ملے گا۔ (۱)

اللہ ان کو اپنی رحمتوں میں جگہ دے اجتہاد کے وقت انہیں خوف ہوتا تھا کہ بہت ممکن ہے کہ کتاب وسنت اور آثار صحابہ ان کے پاس نہ ہوں، اسی وجہ سے بڑی سختی سے اپنی اور دوسروں کی تقلید سے منع فرماتے تھے، اور حدیث صحیح یا کوئی دلیل صحیح مل جائے تو اس کی اتباع کی تاکید کرتے، اللہ کی مشیت سے دوسرے ائمہ کے اقوال کی حفاظت اس طرح نہ ہوسکی جس طرح ائمہ اربعہ ابوحنیفہ، مالک، شافعی، اور احمد بن حنبل کے اقوال محفوظ ہوئے۔ بعد میں انہی کے اقوال پر تفریع در تفریع سے مذاہب کی ہیئت بنی، دوسرے ائمہ کے اقوال کا ذکر ہر مذہب کے مسائل کے ذکر میں کہیں کہیں مذہب کی کتابوں میں آتا رہا۔ نیز محدثین نے آثار کی کتابوں میں انہیں جمع

(۱) صحیح البخاری: ۱۳ / ۲۹۳۔

کیا۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے تحقیق وتتبع سے ائمہ اربعہ کے ان اقوال کو جمع کیا ہے جن میں انہوں نے اتباع کتاب وسنت کی تاکید کی اور تقلید سے منع کیا ہے، ہم انہیں یہاں نقل کر رہے ہیں۔

(1) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال:

① ''إذا صحَّ الحديثُ فهو مذهبي''.

حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔[1]

② ''لا يحل لاحد أن ياخذ بقولنا ما لم يعلم من أين أخذناه''.

ہمارے قول کو کسی کے لیے لینا جائز نہیں جب تک یہ نہ جان لے کہ ہم نے اسے کہاں سے لیا ہے۔[2]

③ ''حرام على من لم يعرف دليلي أن يفتي بكلامي فإننا بشر نقول اليوم قولا ونرجع عنه غداً''

کسی کے لیے جائز نہیں کہ میری دلیل کو جانے بغیر میرے قول کے مطابق فتویٰ دے، کیونکہ ہم بشر ہیں ایک بات آج کہہ کر کل اس سے رجوع کر سکتے ہیں۔

④ ''ويحك يا يعقوب: لا تكتب كل ما تسمع مني، فإني أرى الرأي اليوم وأتركه غدا، وأرى الراي غداً وأتركه بعد غد''۔

یعقوب (ابویوسف)! میری ہر بات کو سن کر نہ لکھا کر، کیونکہ ایک رائے آج قائم کر کے کل اس سے رجوع کر سکتا ہوں، کل کی رائے سے پرسوں رجوع کر سکتا ہوں۔

⑤ ''إذا قلت قولا يخالف كتاب الله وخبر الرسول ﷺ

---

(۱) حاشیہ ابن عابدین: ۱/ ۶۳۔ وحاشیہ علی البحر الرائق: ۶/ ۲۹۳۔

(۲) ابن عابدین، حاشیہ علی البحر الرائق: ۶/ ۲۹۳۔

فاتركوا قولي"۔

میری کوئی بات کتاب اللہ اور حدیث رسول کے مخالف ہو تو میری بات کو چھوڑ دو![1]

② امام مالک بن انس رحمہ اللہ کے اقوال:

① "إنما أنا بشر أخطيء وأصيب، فانظروا في رأيي فكل ما وافق الكتاب والسنة فخذوه وكل ما لم يوافق فاتركوه"۔

میں بشر ہی ہوں غلطی کرتا ہوں اور درست بھی کرتا ہوں، لہٰذا تم میری جو رائے کتاب و سنت کے موافق ہو اسے لے لو، اور جو موافق نہ ہو اسے چھوڑ دو۔[2]

② "ليس أحد بعد النبي ﷺ إلا ويؤخذ من قوله ويترك إلا النبي ﷺ"۔

نبی کریم ﷺ کے بعد ہر کسی کی بات کو لیا بھی جا سکتا ہے اور چھوڑا بھی جا سکتا ہے مگر نبی کریم ﷺ کی ہر بات لی جائے گی۔[3]

③ عبداللہ بن وہب کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے سنا آپ سے وضو میں پیروں کی انگلیوں کے خلال کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ یہ فعل لوگوں پر واجب نہیں، جب مجلس برخواست ہوئی تو میں نے ان سے کہا کہ ہمارے ہاں اس مسئلے ایک سنت پائی جاتی ہے، کہا: بیان کرو، میں نے کہا: کہ مستورد بن شداد القرشی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا: کہ آپ اپنی خنصر کی انگلی (چھنگلی) سے پیروں کی انگلیوں کا خلال فرما رہے تھے، امام مالک نے کہا یہ اچھی حدیث ہے، اس سے پہلے میں نے اسے کبھی نہیں سنا تھا۔ ابن

(۱) ایقاظ ھمم أولی الابصار، ص: ۵۰۔ ونسبہ إلی محمد بن الحسن أیضا۔

(۲) جامع بیان العلم: ۲/ ۹۱۔ إحکام الاحکام لابن حزم: ۶/ ۱۴۵۔

(۳) جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/ ۹۱۔ إحکام الاحکام لابن حزم: ۶/ ۱۴۵۔ ۱۷۹۔

وہب کہتے ہیں کہ اس کے بعد امام مالک سے جب اس کے بارے میں پوچھا جاتا تو میں نے سنا کہ آپ خلال کرنے کا حکم دیتے تھے۔[۱]

③ امام شافعی رحمہ اللہ کے اقوال:

امام شافعی سے کافی اچھے اقوال اس باب میں منقول ہیں، فرماتے ہیں:

① ''ما من أحد إلا وتذهب عليه سنة لرسول الله ﷺ وتعزب عنه، فمهما قلت من قول أو أصلت من أصل فيه عن رسول الله ﷺ خلاف ما قلت، فالقول ما قال رسول الله ﷺ وهو قولي''۔

ہر ایک سے نبی کریم ﷺ کی کوئی نہ کوئی سنت مخفی رہ سکتی ہے، تو میں جو قول کہوں یا جو قاعدہ بیان کروں اگر حدیث رسول اس کے خلاف ہے تو موافق حدیث ہی میرا قول ہوگا۔ (مخالف حدیث میرا قول نہ سمجھا جائے)[۲]

② ''أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى أَنَّ مَنْ اسْتَبَانَتْ لَهُ سُنَّةُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يَكُنْ لَهُ أَنْ يَدَعَهَا لِقَوْلِ أَحَدٍ''۔

تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جس کے سامنے سنتِ رسول ﷺ ظاہر ہوگئی تو اسے کسی کے قول کی بنا پر چھوڑنا جائز نہیں۔[۳]

③ ''إِذَا وَجَدْتُمْ فِي كِتَابِي خِلَافَ سُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقُولُوا بِسُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ، وَدَعُوا مَا قُلْتُ، وفي رواية: فاتبعوها، ولا تلتفتوا إلى قول احد''۔

---

(۱) الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم: ۱/ ۳۱، ۳۲۔

(۲) اعلام الموقعین: ۲/ ۳۶۳۔ ایقاظ ھمم أولی الابصار، ص: ۱۰۰۔

(۳) اعلام الموقعین: ۲/ ۳۶۱۔ ایقاظ ھمم أولی الابصار، ص: ۶۸۔

میری کتاب میں تمہیں کوئی خلاف سنت بات ملے تو میری بات کو چھوڑ کر سنت رسول ﷺ کو لے لو، ایک روایت میں ہے کہ سنت ہی کی اتباع کرو میرے قول کی طرف توجہ نہ دو۔ (۱)

④ ''إذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي''۔

جب صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ (۲)

⑤ ''أنتم أعلم بالحديث مني، فإذا كان الحديث الصحيح فأعلموني به أي شيء يكون كوفيا أو بصريا أو شاميا حتى أذهب إليه إذا كان صحيحا''۔

امام احمد کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ تم حدیث کو مجھ سے زیادہ جانتے ہو صحیح حدیث ہو تو مجھے بتادو! خواہ وہ کوفی ہو یا بصری یا شامی، تاکہ اسی کے مطابق فتویٰ دوں۔ (۳)

⑥ ''كل مسألة صح فيها الخبر عن رسول الله ﷺ عند أهل النقل بخلاف ما قلت فأنا راجع عنها في حياتي وبعد موتي''۔

میرے قول کے خلاف کسی مسئلے میں بھی محدثین کے نزدیک صحیح حدیث مل جائے تو میں حدیث کی موافقت میں اپنے مسئلے سے زندگی میں اور موت کے بعد بھی رجوع کرتا ہوں۔ (۴)

⑦ ''إذا رأيتموني أقول قولا و قد صح عن النبي ﷺ خلافه

---

(۱) ذم الکلام للھروی: ۳ / ۴۷ / ۱۔ صحیح ابن حبان (الاحسان): ۳ / ۲۸۴۔

(۲) المجموع شرح المہذب للنووی: ۱ / ۶۳۔ المیزان للشعرانی: ۱ / ۵۷۔

(۳) آداب الشافعی، ص: ۹۴، ۹۵ وغیرہ۔

(۴) الحلیۃ لابی نعیم: ۹ / ۱۰۷۔ اعلام الموقعین: ۲ / ۳۶۳۔

فاعلموا أن عقلي قد ذهب"۔

صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے اگر میں اس کے خلاف کوئی بات کہوں تو جان لو کہ میری عقل اس وقت کھو چکی تھی۔ (۱)

⑧ "كل ما قلت فكان عن النبي ﷺ خلاف قولي مما يصح، فحديث النبي ﷺ أولى فلا تقلدوني"۔

میرے کسی بھی قول کے خلاف صحیح حدیث ہے تو حدیث نبی مقدم ہے میری تقلید نہ کرو۔

⑨ "كل حديث عن النبي ﷺ فهو قولي وإن لم تسمعوه مني"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر حدیث میرا قول ہے اگرچہ تم اسے مجھ سے نہ سنے ہو۔ (۲)

④ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اقوال:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بلاشبہ تمام ائمہ سے زیادہ حدیثوں کے جامع اور عالم تھے، آپ کا حال یہ تھا کہ آپ ایسی کتابوں کی تالیف کو ناپسند فرماتے تھے جن میں مسائل کے تفریع اور رائے کو جمع کیا گیا ہو۔ (۳)

① "لا تقلدني، ولا تقلد مالكا، ولا الشافعي، ولا الأوزاعي ولا الثوري، وخذ من حيث أخذوا"۔

نہ میری تقلید نہ مالک، اوزاعی اور ثوری کی تقلید کرو، جہاں سے علم انہوں نے لیا ہے وہیں سے تم لو۔ (۴)

---

(۱) آداب الشافعی، ص: ۹۳۔ حلیۃ الاولیاء: ۹/ ۱۰۶۔

(۲) آداب الشافعی، ص: ۹۳۔

(۳) مناقب ابن الجوزی، ص: ۱۹۲۔

(۴) اعلام الموقعین: ۲/ ۳۰۲۔

② ایک روایت میں ہے:

" لا تقلد دينك أحداً من هولاء، ما جاء عن النبي ﷺ وأصحابه فخذ به، ثم التابعين بعد الرجل فيه مخير، الاتباع أن يتبع الرجل ما جاء عن النبي ﷺ وأصحابه، ثم هو من بعد التابعين مخير"۔

اپنے دین کو کسی کے تابع نہ کرو، نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب سے جو کچھ ملے اسے لے لو، تابعین کے آراء واقوال کے بارے میں آدمی کو اختیار ہے۔ اتباع یہ ہے کہ آدمی نبی کریم ﷺ اور صحابہ سے آئی ہوئی چیز کی پیروی کرے، تابعین کے بارے میں اسے اختیار ہے۔[۱]

③ "رأي الأوزاعي ومالك وأبي حنيفة رأي وهو عندي سواء وإنما الحجة في الآثار۔"

اوزاعی، مالک، ابوحنیفہ سب کی رائے رائے ہی ہے سب یکساں ہے۔ حجت اور دلیل صرف آثار میں ہے۔[۲]

④ "من رد حديث رسو ل الله ﷺ فهو على شفا هلكة"۔

جس کسی نے حدیث رسول کو قبول نہ کیا وہ ہلاکت کے کنارے پر ہے۔[۳]

(ائمہ کے ان اقوال کو صفۃ صلاۃ النبی ﷺ کے مقدمہ، ص: ۴۶۔ ۵۳ میں دیکھیں)

---

(۱) مسائل ابی داود، ص: ۲۷۶، ۲۷۷۔

(۲) جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/ ۱۴۹۔

(۳) مناقب الامام احمد لابن الجوزی، ص: ۸۲۔

ہمارے ائمہ کرام کے ان اقوال میں خود انہیں کے متعصبین کے لیے عبرت ہے جو ائمہ کی تقلید پر اصرار کرتے ہیں حالانکہ ائمہ کے بعض اقوال غیر ارادی طور پر نصوص کے مخالف بھی ہو سکتے ہیں یا انہیں ان کی طرف غلط منسوب کر دیا گیا ہو۔ اور صحیح حدیث کی نسبت نبی ﷺ تک ثابت ہے، اور پھر رسول ﷺ ہیں، اور ائمہ کرام رسول ﷺ کے امتی ہیں، اس لیے اصولی طور پر اور عقلی طور پر حدیث کو چھوڑ کر اقوال ائمہ کو لینا بہت بڑے گناہ کی بات ہو سکتی ہے۔ نیز شان رسول میں گستاخی بھی ہو سکتی ہے۔

فصل 3

خیر القرون میں تقلید کا معدوم ہونا

خیر القرون میں تقلید کا معدوم ہونا

یقین واطمینان سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اصطلاحی تقلید کا وجود خیر القرون میں نہ تھا، عہد نبوی اور عہد صحابہ میں تقلید ثابت کرنے والوں کو مشورہ ہے وہ تمام خواہشات سے مجرد ہو کر حدیث رسول اور آثار صحابہ کا مطالعہ کریں، ہماری مصیبت یہ ہے کہ ہم نے قرآن میں تدبر کو صرف مجتہدین کے لیے خاص کر دیا ہے اور پھر ہم نے اجتہاد کا دروازہ بھی بند کر دیا۔

حدیث سے مجتہد ہی استفادہ کرے لیکن ائمہ اربعہ کے مقلدین کے ہاں جب سے اجتہاد کا دروازہ بند کیا گیا اور مجتہدین ناپید ہوئے، قرآن وحدیث کو صرف تبرک کے لئے رکھ کر اس میں تدبر اور حدیث کو حدیث والوں کی طرح پڑھنا اور سمجھنا چھوڑ دیا گیا، اس لئے ان مسائل میں بھی وہی تقلیدی باتیں ہوتی ہیں جنہیں پہلے کے علماء نے کہہ دی ہوں، انہیں چبائے ہوئے لقموں کا اعادہ ہوتا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾ (محمد: ۲۴)

یہ لوگ قرآن میں تدبر کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر قفل لگ چکے ہیں۔

کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اصطلاحی معنی میں لفظ تقلید کا وجود بھی نہیں ملتا ہے۔ البتہ اس کا معنی آیات واحادیث میں مذمت کی صورت میں استعمال ضرور ہوا ہے، مدح اور تعریف کے معنی میں کہیں استعمال نہیں ہوا، اس معنی کا استعمال بعض صحابہ کے اقوال میں بھی آیا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''لَا يُقَلِّدَنَّ أحدكم دِينَهُ رَجُلًا فَإِنْ آمَنَ آمَنَ وَإِنْ كَفَرَ كَفَرَ فإنه لَا أُسْوَةَ فِي الشَّرِّ''۔

خبردار کوئی شخص اپنے دین کو کسی کے تابع نہ کردے کہ اگر وہ ایمان لائے تو وہ بھی ایمان لائے اور اگر کفر کرے تو وہ بھی کفر کرے برے کام میں کسی کی پیروی جائز نہیں۔ (۱)

دوسری جگہ آیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں: اگر تمہیں اقتداء کرنی ہے تو انتقال کر جانے والے کی اقتداء کرو! زندہ سے فتنہ کا خوف ہے۔ (۲)

یہاں تک کہ عامی جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے اوپر تقلید بہر حال واجب ہے، اس کے بارے میں بھی تقلید کے لفظ کا استعمال صحابہ کے دور میں نہ تھا، اتباع کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا، کیونکہ عوام کسی خاص شخص کی تقلید کے پابند نہ تھے، صرف دلیل سے باتیں ہوتیں، اسی سے مسائل کا جواب دیا جاتا، ان کا طریقۂ تعلم اور تفقہ کتاب وسنت کی دلیلوں کی روشنی میں ہوا کرتا تھا، فقہاء بھی انہیں کتاب وسنت ہی کے مسائل بتاتے اور سکھاتے تھے۔

فقیہ زمان ومکان کسی ایک شخص کے فتوی کا مقید بھی نہ ہوتا، مذاہب کا وجود بھی نہ تھا، فقہاء کرام کو لوگ جانتے تھے لوگوں کے درمیان مشہور تھے، طلباء ان سے کتاب وسنت ہی سیکھتے، اسلامی شہروں میں صحابہ کرام اور ان کے بعد فقہاء عظام پھیلے ہوئے تھے۔

ان میں سے ہر ایک علم ومعرفت کا پہاڑ تھا، لوگ ان کے ماحول میں رہ کر اپنا دین سیکھتے، عوام صحابہ یا تابعین میں سے کوئی اگر مدینہ میں ہوتا اسے کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو فتوی اور تعلیم دینے

---

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ: ۲ / ۹۸۸۔

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی: ۹ / ۱۶۶۔ السنن الکبری للبیہقی، ۱۰۔

والے کسی بھی صحابی سے مسئلہ پوچھ لیتا، وہی شخص کوفہ یا بصرہ چلا جاتا تو وہاں جس مشہور بالعلم صحابی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوتی ان سے فتویٰ پوچھ لیتا، اس طریقہ تعلیم اور اس کے بموجب عمل کو لوگ تقلید نہیں کہتے۔ بلکہ اسے اتباع اور اطاعت کہا جاتا ہے کسی کی رائے پر تعصب نہ تھا نہ اصرار، اگر کسی سے تعصب اور کسی کی رائے پر ہٹ دھرمی کی بُو آئی تو سب نے اس پر نکیر کیا اور اس سے منع کیا خصوصاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل وتقریر کے مقابلے میں اگر کوئی رائے پیش کرتا تو اس کو ملامت کا سامنا کرنا پڑتا۔ صحیح بخاری میں ہے:

"عن عمران بن حصين قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: "الْحَيَاءُ لاَ يَأْتِي إِلاَّ بِخَيْرٍ"، فَقَالَ بُشَيْرُ بْنُ كَعْبٍ: مَكْتُوبٌ فِي الْحِكْمَةِ إِنَّ مِنَ الْحَيَاءِ وَقَارًا، وَإِنَّ مِنَ الْحَيَاءِ سَكِينَةً . فَقَالَ لَهُ عِمْرَانُ: أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَتُحَدِّثُنِي عَنْ صَحِيفَتِكَ"۔

عمران بن حصین کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حیا خیر ہی لائے گا، بشیر بن کعب نے سن کر کہا: کہ حکمت کے باب میں لکھا ہے بعض حیا وقار اور سکینت ہے، عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے سن کر کہا کہ: میں تم سے حدیث رسول بیان کر رہا ہوں اور تم اس کے مقابلے میں اپنے صحیفے سے بیان کر رہے ہو۔ (۱)

اس کو امام مسلم نے بھی ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

"عن أبي قتادة قَالَ: كُنَّا عِنْدَ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ فِي رَهْطٍ مِنَّا وَفِينَا بُشَيْرُ بْنُ كَعْبٍ فَحَدَّثَنَا عِمْرَانُ يَوْمَئِذٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: "الْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ" أَوْ قَالَ: "الْحَيَاءُ كُلُّهُ خَيْرٌ".

---

(۱) صحیح البخاری: ۱/ ۸/ ۶۳۸ و کتاب الادب، باب الجہاد۔

فَقَالَ بُشَيْرُ بْنُ كَعْبٍ: إِنَّا لَنَجِدُ فِي بَعْضِ الْكُتُبِ أَوِ الْحِكْمَةِ أَنَّ مِنْهُ سَكِينَةً وَوَقَارًا لِلّٰهِ وَمِنْهُ ضَعْفٌ...الخ''۔

ابو قتادہ کہتے ہیں کہ ہم اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ عمران بن حصین کے پاس تھے وہاں بشیر بن کعب بھی تھے، آپ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: حیا خیر ہی خیر ہے، بشیر بن کعب نے کہا کہ بعض کتابوں یا حکمتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ حیا کبھی وقار کی شکل میں ہوتا ہے اور کبھی کمزوری کی شکل میں ہوتا ہے، عمران بن حصین سن کر ایسے غصہ ہوئے کہ آپ کی آنکھیں سرخ ہوگئیں اور کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم اس پر اعتراض کر رہے ہو۔[1]

عمران بن حصین نے حدیث رسول کا اعادہ کیا، بشیر بن کعب نے بھی اپنی بات کا اعادہ کیا، عمران غصہ ہوئے ہم عذر کرتے رہے کہ یہ ہم ہی لوگوں میں سے ہے اس میں عقیدے کی کوئی خرابی نہیں۔

یہی طریقہ سلف صالحین اور محدثین کرام کا تھا۔ چنانچہ سنن ترمذی میں ہے:

''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَلَّدَ نَعْلَيْنِ وَأَشْعَرَ الْهَدْيَ، ثم قال: سَمِعْتُ يُوسُفَ بْنَ عِيسَى يَقُولُ: سَمِعْتُ وَكِيعًا يَقُولُ حِينَ رَوَى هٰذَا الْحَدِيثَ قَالَ: لَاتَنْظُرُوا إِلَى قَوْلِ اَهْلِ الرَّأْيِ فِي هٰذَا، فَإِنَّ الإِشْعَارَ سُنَّةٌ وَقَوْلَهُمْ بِدْعَةٌ. قَالَ: وَسَمِعْتُ أَبَا السَّائِبِ يَقُولُ: كُنَّا عِنْدَ وَكِيعٍ فَقَالَ لِرَجُلٍ عِنْدَهُ مِمَّنْ يَنْظُرُ فِي الرَّأْيِ: أَشْعَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَيَقُولُ أَبُو حَنِيفَةَ هُوَ مُثْلَةٌ. قَالَ الرَّجُلُ: فَإِنَّهُ قَدْ رُوِيَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ أَنَّهُ قَالَ: الإِشْعَارُ مُثْلَةٌ. قَالَ:

(۱) صحیح مسلم: ۱: ۶۴، حدیث نمبر: ۳۷، کتاب الایمان، باب بیان عدد شعب الایمان۔

فَرَأَيْتُ وَكِيعًا غَضِبَ غَضَبًا شَدِيدًا، وَقَالَ: أَقُولُ لَكَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَتَقُولُ: قَالَ إِبْرَاهِيمُ، مَا أَحَقَّكَ بِأَنْ تُحْبَسَ ثُمَّ لَا تَخْرُجَ حَتَّى تَنْزِعَ عَنْ قَوْلِكَ هَذَا.

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے ہدی کے جانور کا اشعار کیا، اوراسکی گردن میں کوئی چیز لٹکائی، امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے یوسف بن عیسی سے سنا: وہ کہتے تھے کہ میں نے وکیع سے سنا: جب آپ نے اس کی روایت کی تو کہا کہ: اس مسئلے میں اہل رائے کی بات نہ سنو، اشعار سنت رسول ہے اور ان کا قول بدعت ہے، ابوالسائب کہتے ہیں کہ ہم وکیع رحمہ اللہ کے پاس بیٹھے تھے ایک آدمی جو رائے اور قیاس کرتا تھا اس سے کہا: کہ رسول اللہ ﷺ نے اشعار کیا ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ اشعار مثلہ ہے، اس آدمی نے کہا کہ: ان کی دلیل یہ ہے کہ ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ اشعار مثلہ ہے، ابوالسائب کہتے کہ میں نے وکیع کو دیکھا کہ بہت سخت غصہ ہوئے اور کہا کہ میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا، اور تم کہتے ہو کہ ابراہیم نے کہا، تم اس لائق ہو کہ تمہیں جیل میں بند کردیا جائے اور جب تک اس سے توبہ نہ کرلو تمہیں جیل سے نہ نکالا جائے۔ (۱)

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے حج تمتع کیا تھا، عروہ بن الزبیر نے سن کر کہا کہ: ابوبکر و عمر تمتع سے منع کرتے تھے، ابن عباس نے کہا مجھے لگتا ہے کہ لوگ ہلاک ہوجائیں گے! میں کہتا ہوں کہ نبی ﷺ نے کہا اور لوگ کہتے ہیں کہ ابوبکر و عمر نے منع کیا ہے۔ (۲)

---

(۱) سنن الترمذی، ۲۱۸، ۲۱۹ - الفقیہ والمتفقہ، ص: ۱۴۸ - (صحیح)

(۲) مسند احمد: ۱/ ۳۳۷ - وجامع بیان العلم وفضلہ - اس کی اسناد میں شریک ہیں وہ حدیث میں ضعیف تھے۔

ابن القیم نے اس اثر کو نقل کر کے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ابن عباس پر رحم کرے اور ان سے راضی ہو، اگر اس زمانے کے لوگوں کو دیکھتے تو کیا کہتے؟ ان کے سامنے جب کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تو وہ قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے لوگوں کے اقوال سے معارضہ کرتے ہیں، جو صحابہ سے بہت ہی نیچے درجے کے لوگ ہوتے ہیں۔ (۱)

امام دارمی نے صحیح سند سے ابن عباس سے روایت کیا ہے، کہتے ہیں:

''اَمَا تَخَافُونَ اَنْ تُعَذَّبُوا، اَوْ يُخْسَفَ بِكُمْ اَنْ تَقُولُوا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، وَقَالَ فُلَانٌ ؟!.''۔

کہ تم ڈرتے نہیں کہ تمہارے اوپر عذاب نازل ہو جائے یا دھنسا دیے جاؤ! ایک طرف کہتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اور پھر اس کے مقابل کہتے ہو فلاں نے ایسا کہا۔ (۲)

''عن سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّهُ سَمِعَ رَجُلاً مِنْ اَهْلِ الشَّامِ وَهُوَ يَسْاَلُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ عَنِ التَّمَتُّعِ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: هِيَ حَلَالٌ. فَقَالَ الشَّامِيُّ: إِنَّ اَبَاكَ قَدْ نَهَى عَنْهَا. فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: اَرَاَيْتَ إِنْ كَانَ اَبِي نَهَى عَنْهَا وَصَنَعَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَاَمْرَ اَبِي نَتَّبِعُ اَمْ اَمْرَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ؟ فَقَالَ الرَّجُلُ: بَلْ اَمْرَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ: لَقَدْ صَنَعَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ''۔

سالم بن عبداللہ بن عمر نے عبداللہ بن عمر سے ایک شامی کو حج تمتع کے بارے میں پوچھتے

---

(۱) اعلام الموقعین: ۳/۵۳۹۔

(۲) سنن دارمی: ۱/۹۵۔

ہوئے سنا تو عبداللہ بن عمر نے کہا کہ حلال ہے، شامی نے کہا کہ آپ کے والد نے اس سے منع کیا ہے، عبداللہ بن عمر نے کہا: بتاؤ اگر میرے والد نے منع کیا ہے اور خود رسول اللہ نے کیا ہے، تو پھر والد کی بات مانی جائے گی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مانا جائے گا؟ اس شخص نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہی مانا جائے گا، کہا: تو رسول اللہ نے حج تمتع کیا ہے۔ (۱)

امام احمد کی روایت میں ہے:

'' كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ " يُفْتِي بِالَّذِي أنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ الرُّخْصَةِ بِالتَّمَتُّعِ ، وَسَنَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِيهِ " ، فَيَقُولُ نَاسٌ لِابْنِ عُمَرَ: كَيْفَ تُخَالِفُ أبَاكَ وَقَدْ نَهَى عَنْ ذٰلِكَ ؟ فَيَقُولُ لَهُمْ عَبْدُ اللهِ: وَيْلَكُمْ، ألَا تَتَّقُونَ اللهَ، إنْ كَانَ عُمَرُ نَهَى عَنْ ذٰلِكَ فَيَبْتَغِي فِيهِ الْخَيْرَ يَلْتَمِسُ بِهِ تَمَامَ الْعُمْرَةِ، " فَلِمَ تُحَرِّمُونَ ذٰلِكَ وَقَدْ أحَلَّهُ اللهُ وَعَمِلَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ "، أفَرَسُولُ اللهِ ﷺ أحَقُّ أنْ تَتَّبِعُوا سُنَّتَهُ، أمْ سُنَّةَ عُمَرَ ؟ إنَّ عُمَرَ لَمْ يَقُلْ لَكُمْ إنَّ الْعُمْرَةَ فِي أشْهُرِ الْحَجِّ حَرَامٌ، وَلَكِنَّهُ قَالَ: إنَّ أتَمَّ الْعُمْرَةِ أنْ تُفْرِدُوهَا مِنْ أشْهُرِ الْحَجِّ ''۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اللہ کی رخصت کے مطابق حج تمتع کا فتوی دیتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو مسنون فرمایا ہے، ابن عمر سے کچھ لوگ کہتے کہ آپ اپنے والد کی مخالفت کیوں کر رہے ہیں؟ انہوں نے تو تمتع سے منع کیا ہے۔ عبداللہ بن عمر انہیں جواب دیتے تمہارے لیے خرابی ہو، تم اللہ سے ڈرتے نہیں! بے شک عمر رضی اللہ عنہ

(۱) سنن الترمذی، ص: ۲۰۱، کتاب الحج، حدیث نمبر: ۸۲۴۔

نے خیر ہی کی نیت سے تمتع سے منع کیا تھا، چاہتے تھے کہ لوگ عمرہ مکمل الگ سے کریں، لیکن جب اللہ نے اسے حلال کیا ہے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے تو پھر بتاؤ! کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اتباع کی زیادہ حق دار ہے یا عمر کی سنت لائق اتباع ہے؟ عمر رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کہا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ حرام ہے بلکہ یہ کہا ہے کہ مکمل عمرہ یہ ہے کہ اشہرِ حج کے علاوہ مہینوں میں عمرہ کیا جائے۔ (۱)

بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے کہ:

"عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ اَنَّهُ رَاٰی رَجُلاً يَخْذِفُ فَقَالَ لَهُ :لاَ تَخْذِفْ فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنِ الْخَذْفِ ، اَوْ كَانَ يَكْرَهُ الْخَذْفَ، وَقَالَ: "إِنَّهُ لاَ يُصَادُ بِهِ صَيْدٌ وَلاَ يُنْكَى بِهِ عَدُوٌّ ، وَلَكِنَّهَا قَدْ تَكْسِرُ السِّنَّ وَتَفْقَأُ الْعَيْنَ" ثُمَّ رَاٰهُ بَعْدَ ذٰلِكَ يَخْذِفُ فَقَالَ لَهُ: اُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهُ نَهَى عَنِ الْخَذْفِ ، اَوْ كَرِهَ الْخَذْفَ وَاَنْتَ تَخْذِفُ! لاَ اُكَلِّمُكَ اَبداً"۔

عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ انگلیوں کے درمیان کنکری رکھ کر پھینک رہا ہے، اس پر آپ نے کہا کہ اس طرح (خذف) کنکریوں کو پھینکنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے، یا اسے پسند نہ کرتے تھے اور آپ نے فرمایا: کہ اس سے نہ تو شکار کیا جا سکتا ہے اور نہ دشمن کو زخمی کیا جا سکتا ہے، البتہ اس سے دانت ٹوٹ سکتا ہے یا کسی کی آنکھ پھوٹ سکتی ہے، اس کے بعد بھی آپ نے دیکھا کہ وہ آدمی کنکری پھینک رہا تھا، تو آپ نے کہا کہ میں تم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کر رہا ہوں کہ آپ نے

(۱) مسند أحمد: ۲/ ۹۵۔

خذف سے منع فرمایا ہے اور تم کنکریاں پھینکے جا رہے ہو، میں تم سے بات نہیں کروں گا۔
صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ تم سے کبھی بات نہ کروں گا۔ (۱)

ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

اس حدیث میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والے سے قطع کلامی کا جواز ہے۔ اور جس حدیث میں تین دن سے زیادہ نہ بولنے کی ممانعت ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ اپنی خواہش نفس کی بنا پر کسی کو چھوڑے، دین کی خاطر نہیں۔ (۲)

مسلم کی روایت میں ہے: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے:

”لَا تَمْنَعُوا نِسَاءَكُمُ الْمَسَاجِدَ إِذَا اسْتَأْذَنَّكُمْ إِلَيْهَا“. قَالَ: فَقَالَ بِلَالُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ وَاللَّهِ لَنَمْنَعُهُنَّ. قَالَ: فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللَّهِ فَسَبَّهُ سَبًّا سَيِّئًا مَا سَمِعْتُهُ سَبَّهُ مِثْلَهُ قَطُّ، وَقَالَ: أُخْبِرُكَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَتَقُولُ وَاللَّهِ لَنَمْنَعُهُنَّ.“

کہ اللہ کی بندیوں کو مسجدوں میں صلاۃ کے لیے جانے سے نہ روکو، اس پر ان کے بیٹے بلال نے کہا کہ ہم سختی سے انہیں روکیں گے، جب بلال آئے تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو بہت سخت سست کہا، اور گالیاں دیں کہ ایسا ان سے کبھی نہ سنا تھا، اور کہا کہ میں تمہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بتا رہا ہوں اور تم کہتے ہو کہ ہم انہیں سختی سے روکیں گے۔ (۳)

---

(۱) صحیح بخاری: ۹/ ۷۵۷، کتاب الذبائح والصید، باب الخذف، حدیث نمبر: ۵۴۷۹۔ صحیح مسلم، کتاب الصید، حدیث نمبر: ۵۱۶۴۔
(۲) فتح الباری: ۹/ ۷۵۷۔
(۳) صحیح مسلم: ۱/ ۳۲۷، حدیث نمبر: ۴۴۲۔

طبرانی اور الجامع لابن عبدالبر کی روایت میں ہے کہ کئی بار ان کو ’’لعنك الله‘‘ کہا، رونے لگے اور غصے میں مجلس سے اٹھ پڑے۔ (۱)

ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں باب کا ذکر کیا ہے،’’ باب كراهة معارضة خبر النبي عليه السلام بالقياس والرأي، والدليل على أن أمر النبي ﷺ يجب قبوله إذا علم المرء به و إن لم يدرك ذلك عقله ورأيه‘‘ یعنی نبی ﷺ کی حدیث کا قیاس اور رائے سے معارضہ کی کراہیت کا بیان اور اس بات کی دلیل کہ آپ ﷺ کے حکم کی خبر آدمی کو ہو جائے تو اس کا قبول کرنا واجب ہے، اگر چہ اس کی عقل اور رائے اس کو سمجھ نہ سکے اور قبول نہ کرے۔

پھر اس کے بعد روایت کا ذکر کیا کہ:

عن سالم بن عبد الله عن أبيه قال: قال النبي ﷺ : إذا استيقظ أحدكم من منامه فلا يدخل يده في الإناء حتى يغسلها ثلاث مرات، فإنه لا يدري أين باتت يده، فقال له رجل: أرأيت إن كان حوضا؟ قال : فحصبه ابن عمر وقال: أخبرك عن رسول الله ﷺ وتقول : أرأيت إن كان حوضا !‘‘۔

سالم بن عبداللہ بن عمر اپنے والد عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں کوئی جب نیند سے اٹھے تو ہاتھ کو تین بار دھوئے بغیر برتن میں نہ ڈالے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ نیند میں اس کا ہاتھ کہاں تھا، یا کہاں کہاں لگ رہا تھا، ایک شخص نے سن کر کہا: پانی کا حوض ہو تو کیا کرے؟ عبداللہ بن عمر نے اسے کنکری سے مارا،

(۱) معجم الطبرانی الکبیر: ۱۲/ ۳۲۶۔ جامع بیان العلم: ۲/ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔

اور کہا: کہ میں تمہیں حدیث رسول سنا رہا ہوں اور تم معارضہ کر کے کہہ رہے ہو کہ حوض ہو تو کیا کرے؟(۱)

ابن ماجہ میں ہے: ''أن عبادة بن الصامت الأنصاري النقيب صاحب رسول الله ﷺ غزا مع معاوية أرض الروم ---الخ۔''

کہ عبادہ بن صامت بیعت عقبہ کے نقیب اور صحابی رسول نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رومیوں سے جہاد کیا تو دیکھا کہ لوگ سونے کے ٹکڑیوں کی دنانیر سے اور چاندی کے ٹکڑوں کی دراہم سے خرید وفروخت کر رہے ہیں، عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگو! تم لوگ ربا (سود) کھا رہے ہو، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ لوگو سونے سے برابر اور نقدی ہی بیچو، ان میں ایک دوسرے کی نہ زیادتی ہو اور نہ ادھار اور قرض ہو، معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابو الولید میری رائے ہے کہ ''ربا'' اس وقت ہوگا جب ادھار بیچا جائے، عبادہ بن صامت نے کہا کہ میں تم سے حدیث رسول بیان کر رہا ہوں اور اس کے مقابل میں (تم) اپنی رائے پیش کر رہے ہو۔ اللہ کی قسم: میں اس زمین میں رہ نہیں سکتا جہاں تک تمہاری امارت (گورنری) ہے، اور مدینہ منورہ جا پہنچے، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ابو الولید کیسے آنا ہوا؟ آپ نے قصہ بیان کیا، تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا جہاں تھے وہیں چلے جاؤ، اللہ اس زمین کو اچھا نہ رکھے جہاں آپ جیسے لوگ نہ ہوں۔ پھر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ عبادہ بن صامت کے اوپر آپ کا کوئی زور نہیں اور جو انہوں نے کہا ہے: لوگوں کو اسی کا مکلف کرو!''(۲)

---

(۱) صحیح ابن خزیمہ: ۷۵/۱۔

(۲) سنن ابن ماجہ، مقدمہ، باب اتباع النبی ﷺ ص: ۱۸۔ سنن الدارمی: ۹۷/۱۔

ابو معاویہ الضریر کہتے ہیں کہ میں امیر المؤمنین ہارون الرشید کے سامنے اعمش عن ابی صالح کی حدیث پڑھ رہا تھا:

جب بھی میں ''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کہتا تو وہ ''قال سیدی ومولای'' کہتے، یہاں تک کہ آدم وموسیٰ علیہ السلام کی ملاقات اور احتجاج آدم وموسیٰ کی حدیث کا ذکر آیا[1] تو ہارون رشید کے کسی چچا نے جس کا نام یاد نہ رہا، کہا: کہ ابو محمد آدم اور موسیٰ کی ملاقات کہاں ہوئی تھی؟ یہ سن کر ہارون رشید کو غصہ آیا، اور پوچھا: کہ حدیث میں یہ شبہ کس نے تمہارے دل میں ڈالا ہے؟ اور حبس (قید) میں ڈالنے کا حکم دیا۔ اور مجھے تحقیق کے لیے حبس میں اپنے حشم وخدم کے ذریعہ پہنچایا۔ تو ان کے چچا نے ایمان مغلظہ (گاڑھی قسمیں، تاکیدی قسمیں) کھا کر کہا کہ کسی سے کچھ نہیں سنا ہوں، خود میرے دل میں یہ بات آئی، کسی سے اس سلسلے میں میری کوئی بات نہیں ہوئی۔

امیر المؤمنین ہارون رشید کے پاس میں لوٹ کر گیا تو انہوں نے کہا: کہ وہ ضرور بتائے کہ کس شخص نے اس کے دل میں شبہ ڈالا ہے؟ میں نے کہا: امیر المؤمنین اس نے تاکیدی قسمیں کھا کر کہا ہے کہ کسی سے میری بات نہیں ہوئی، میرے ہی دل میں یہ بات آگئی تھی پھر اس کو حبس (قید) سے نکالنے کا حکم دے دیا اور مجھ سے کہا: محمد! مجھے شبہ ہوا ہے کہ بعض ملحدین نے اس کو اس شبہ کی تلقین کی ہے۔ اس وجہ سے میں نے جاننا چاہا، تاکہ اس کو قتل کر دوں۔ ورنہ مجھے یقین ہے ایک قریشی نسب کا آدمی بے دین نہیں ہوسکتا۔[2]

امام الصابونی نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ جس میں ذکر ہے کہ عیسیٰ بن جعفر نے یہ بات کہی تھی۔ ہارون رشید چونک پڑے! اور کہا: کہ وہ حدیث رسول کی روایت کر رہے ہیں اور

---

(۱) صحیح بخاری: ۱۱/ ۶۱۸، کتاب القدر، باب تحاج آدم وموسیٰ۔ صحیح مسلم، القدر، باب احتجاج آدم وموسیٰ۔

(۲) تاریخ الفسوی: ۲: ۱۸۱-۱۸۲۔ تاریخ بغداد: ۵/ ۲۴۳، ۲۴۴۔

تم ''کیسے'' کہہ کر اس کا معارضہ کر رہے ہو؟ کئی بار اس بات کو دہرایا پھر چپ ہوئے۔

اس کے بعد الصابونی لکھتے ہیں کہ اسی طرح ایک مسلمان کو احادیث رسول کی تعظیم کرنی چاہئے کہ اسے قبول کر کے اس کی تصدیق کرے۔ اور جو بھی اس کے علاوہ راستہ چلے جیسے ہارون رشید نے اس شخص کے ساتھ اختیار کیا تھا جس نے حدیث صحیح پر اعتراض کیا تھا۔ کہ اس کا انکار کیا اور اسے بعید سمجھا تو ایسے شخص کے اوپر سخت نکیر کرے۔ یعنی سننے والے کو چپ نہ رہنا چاہئے۔ اور جس طرح دیگر احادیث رسول ﷺ کو قبول کیا جاتا ہے اسی طرح اس قسم کی احادیث کو بھی قبول کرے۔ (۱)

علامہ ذہبی نے بھی سیر اعلام النبلاء میں یہ واقعہ نقل کیا ہے جس میں ذکر ہے کہ ہارون رشید نے جلاد کو بھی بلا لیا، چمڑا اور تلوار طلب کیا، اور کہا کہ یہ بے دین حدیث میں طعن کر رہا ہے! ابو معاویہ کے توسط اور عذر کرنے سے وہ چپ ہو گئے۔ (۲)

اس حادثے سے یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ ہارون رشید کے دور خلافت میں الحاد اور زندقہ (بے دینی) کا فتنہ سر اٹھا رہا تھا، نیز بحمد اللہ ہارون رشید فتنوں کے سلسلے میں بہت ہی حساس رہے اور ان کا تعاقب کرتے رہے۔

رہا یہ اعتراض کہ آدم وموسیٰ علیہما السلام کی ملاقات کہاں اور کیسے ہوئی؟ تو اس قسم کے اخبار و احادیث میں ایک مسلم کا رویہ یہ ہو کہ جہاں اس طرح کے مشتبہات سمجھ میں نہ آئیں تو انہیں بہر حال تسلیم ورضا کے ساتھ قبول کرلے۔

ابن عبد البر کہتے ہیں کہ اس قسم کی حدیثوں میں تسلیم ورضا واجب ہے۔ اس میں کرید کرنا اچھا

---

(۱) عقیدۃ السلف أصحاب الحدیث، ص: ۷۱، ۷۲۔

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۹/ ۲۸۸۔

نہیں! کیونکہ اس قسم کا علم اور اس کی تفصیل ہمیں نہیں بتائی گئی۔

ظاہری بات یہ ہے کہ یہ واقعہ قیامت کے دن واقع ہوگا، جس کی خبر وحی کے ذریعہ نبی ﷺ کو دی گئی۔ کیونکہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے:

''احْتَجَّ آدَمُ وَمُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ عِنْدَ رَبِّهِمَا''۔

کہ آدم وموسیٰ کی حجت اور گفتگو اللہ رب العالمین کے پاس ہوئی یا ہوگی۔ (۱)

اسی طرح سنن ابی داؤد میں عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

''يَا رَبِّ أَرِنَا آدَمَ الَّذِي أَخْرَجَنَا وَنَفْسَهُ مِنَ الْجَنَّةِ فَأَرَاهُ اللَّهُ عز وجل آدَمَ''۔

اے رب ہمیں آدم علیہ السلام کو دکھادے جنہوں نے اپنے کو اور ہم سب کو جنت سے نکالا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو دکھایا۔ (۲)

اس لیے راجح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ واقعہ آخرت میں پیش آئے گا۔ (۳) واللہ اعلم۔

اس بات پر خیر القرون ہی کا اجماع واتفاق ہو چکا ہے کہ نص کتاب وسنت کا لینا واجب ہے کسی کا کتنا بڑا درجہ ہو اس کے قول کی بنا پر قرآن وسنت کے نصوص کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اس اجماع کو امام شافعی (متوفی ۲۰۴ھ) نے نقل کیا ہے، کہتے ہیں:

''أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى أَنَّ مَنْ اسْتَبَانَتْ لَهُ سُنَّةُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَمْ يَكُنْ لَهُ أَنْ يَدَعَهَا لِقَوْلِ أَحَدٍ''۔

---

(۱) صحیح مسلم: ۴/ ۲۰۴۳، کتاب القدر، باب احتجاج آدم وموسیٰ۔

(۲) سنن ابوداؤد، ص: ۵۰۷، کتاب السنۃ حدیث نمبر: ۴۷۰۲۔

(۳) مزید دیکھیں: فتح الباری: ۱۱/ ۶۱۹، ۶۲۰۔

حتی کہ سلف صالحین تابعی کے قول کو صحابی خصوصاً خلفاء راشدین کے قول پر بھی مقدم کرنے کے لئے راضی نہ ہوتے تھے۔ [۱]

ابن القیم رحمہ اللہ نے ھیثم بن جمیل سے ذکر کیا ہے کہ میں نے امام مالک سے کہا ابوعبداللہ ہمارے ہاں کچھ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے کتابیں لکھی ہیں اور فلان نے فلاں سے اس نے ابراہیم نخعی سے ایسی بات کی روایت کی ہے، اور ابراہیم نخعی ہی کی بات کو لیتا ہے۔ امام مالک نے سوال کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ کا قول صحیح سند سے انہیں ملا ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں جس طرح ابراہیم نخعی سے بھی صحیح سند سے ثابت ہے، امام مالک نے کہا ان سے توبہ کرائی جائے۔"

نیز ابوداؤد نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے امام احمد بن حنبل سے کہا کہ امام اوزاعی امام مالک سے اتباع سنت میں آگے ہیں۔ امام احمد نے کہا: کہ اپنے دین کو ان میں سے کسی کے تابع نہ کرو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے جو ملے اسے لے لو! تابعین کے اقوال میں آدمی کو اختیار ہے۔ [۲]

سنن دارمی میں قتادہ سے روایت ہے کہ ابن سیرین نے کسی آدمی سے حدیث رسول بیان کی تو کسی شخص نے کہا: کہ فلاں نے ایسا ایسا کہا ہے۔ اس پر ابن سیرین نے غصہ ہو کر کہا: کہ میں تم سے حدیث رسول بیان کر رہا ہوں اور تم فلاں فلاں نے ایسا ایسا کہا، کہہ رہے ہو؟ تم سے کبھی بات نہ کروں گا۔ [۳]

یہی سنت تابعین اور تمام ائمہ مہدیین کی تھی، سنت رسول ان کے دلوں میں لوگوں سے زیادہ معظم ومکرم تھی، اس کی مخالفت پر صبر نہ کرتے تھے۔

---

(۱) ایقاظ ھمم اولی الابصار، ص: ۵۸۔

(۲) اعلام الموقعین: ۲ / ۱۸۳۔

(۳) سنن الدارمی: ۱ / ۹۷۔

فَصْلُ ④

تقلید کس کے لئے
جائز اور کس کے لئے ناجائز ہے؟

تقلید کس کے لئے جائز اور کس کے لئے ناجائز ہے؟

اس مسئلے میں یہی کہنا ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے دین کو کتاب وسنت کی صورت میں مکمل کردیا ہے۔ اور صحابہ رسول ﷺ دین پر سب سے اولین ایمان لانے والے اور اکمل طریقہ سے اسلام اور ایمان پر عمل کرنے والے تھے۔ یہ مقدس ہستیاں امام الائمہ محمد رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی کی متبع نہ تھیں۔ ان کے بعد تابعین عظام وتبع تابعین وغیرہ بھی کتاب وسنت اور آثار صحابہ کے مطابق فتاویٰ کی اتباع کرتے تھے۔ اس مبارک زمانہ میں کسی خاص شخص کی تقلید کے وجوب کا سوال ہی نہ تھا۔

نیز تقلید کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ تقلید شخصی نے قرون خیر کے بعد ہی سر اٹھایا، اس سے پہلے اس کا وجود نہ تھا۔ اس لیے اَدلہ صحیحہ کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ علم وفقہ کے باب میں لوگوں کی کئی قسمیں ہیں۔

۱: بڑے علماء جو امت کے اندر مجتہد کے لقب سے جانے جاتے ہیں جنہیں عام علماء اور طلبۃ العلم ان کے علم وفضل کی بنا پر جانتے ہیں۔

۲: متوسط طبقے کے علماء جنہوں نے تفسیر وحدیث اور عقیدہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہو، انہیں صحیح وضعیف دلیلوں کی پہچان اور تمیز پر قدرت ہو۔

۳: عامۃ الناس جو دلیلوں کو جان نہیں سکتے اور نہ ہی وسیع علم کا سیکھنا ان پر واجب ہے جیسا کہ

اپنی کتاب ''اتباع'' میں اس مسئلے کو میں نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

تو پہلی قسم کے علماء کے لیے کسی کی تقلید جائز نہیں۔ الا یہ کہ بعض مسائل میں تلاش بسیار واجتہاد کثیر کے باوجود مسئلہ کا حکم معلوم کرنے سے عاجز رہے، تو ایسی حالت میں جس عالم سے ان کا دل مطمئن ہو اس سے رجوع کرلیں۔

دوسری قسم کے علماء کے لئے بھی کسی کی تقلید جائز نہیں! ضروری ہے کہ وہ ادلہ کو سمجھیں نیز علماء کے فتاویٰ کو بالدلیل سمجھ کر راجح مسئلہ پر عمل کریں۔ البتہ پہلی قسم کے علماء کی طرح اگر انہیں دلیل نہ مل سکی تو کسی بھی امام کی طرف رجوع کر کے مسئلہ کا حل دریافت کرلیں۔

رہے تیسری قسم کے وہ عوام الناس جنہیں دلیلوں کا علم نہیں ان کے لیے جائز ہے کہ پہلی دونوں اقسام کے علماء سے جو علم وصلاح وتقویٰ میں معروف ہوں ان سے مسئلہ پوچھ لیں، کسی خاص شخص یا خاص مذہب کی شرط نہ ہو، اور اس عالم کے بتائے ہوئے مسئلہ پر عمل کرلیں۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ علماء کے اقوال کو نقل کرنے کے بعد اپنی درست رائے کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''جمہور امت کا یہ قول ہے کہ فی الجملہ اجتہاد اور فی الجملہ تقلید جائز ہے۔ ہر ایک شخص پر فرداً فرداً اجتہاد کو واجب اور تقلید کو حرام نہیں کہتے اور نہ ہی ہر ایک پر تقلید واجب اور اجتہاد کو حرام کہتے ہیں۔

جمہور کا کہنا ہے: کہ اجتہاد کی قدرت رکھنے والے پر اجتہاد واجب ہے اور اجتہاد سے عاجز کے لیے تقلید جائز ہے۔

لیکن اجتہاد پر قدرت رکھنے والے کے لیے کیا تقلید جائز ہے؟ اس میں اختلاف تو ہے لیکن صحیح مسئلہ یہ ہے کہ اس کے لیے تقلید ایسی جگہ پر جائز ہے جہاں دلیلوں کی برابری یا وقت کی تنگی یا دلیل کے غموض کی صورت میں اجتہاد سے عاجز ہو، تو اجتہاد کا وجوب اس سے ساقط ہو گیا اور تقلید

کرنا اس کے لیے جائز ہو گیا جیسے کہ پانی نہ ملنے یا پانی کے استعمال کی طاقت نہ ہونے کی صورت میں پانی کے بدلے تیمم سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے۔" (۱)

علامہ ابن تیمیہ کے قول میں تیسری قسم میں عوام کی تقلید کا جو ذکر آیا ہے در حقیقت یہ اتباع ہے۔ کیونکہ عامی نے اس وقت:

فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ (الانبیاء:۷)

یعنی "جاننے والوں سے پوچھ لو اگر تمہیں علم نہیں۔" کے حکم پر عمل کیا ہے۔

لہٰذا اصطلاحی طور پر اس کا نام تقلید رکھنا بھی قابل اعتراض ہے کیونکہ تقلید کی تعریف کی رو سے اس پر تقلید کا اطلاق درست نہیں۔

ابن خویز منداد کا قول گزر چکا ہے لگتا ہے انہوں نے اسی قسم کی تقلید کو اتباع کا نام دیا ہے، کہتے ہیں: "جس کسی کے قول کی اتباع (جس کا قول بلا دلیل واجب القبول نہیں ہے) وہ اتباع نہیں تقلید ہے۔ اللہ کے دین میں تقلید حرام ہے اور جس کسی کے قول کی اتباع کے لیے دلیل ہو تو اس کی پیروی اتباع ہے۔ اور دین میں اتباع جائز اور تقلید ممنوع ہے۔" (۲)

اس قسم کے لوگوں کے لیے بھی کسی حالت میں جائز نہیں کہ جن کے بارے میں علم ہے کہ ان سے علم اور فتویٰ نہیں لیا جائے گا ان کی تقلید کریں۔

اسی طرح دلیل ظاہر ہو جانے اور حجت قائم ہو جانے اور مفتی کے قول کے خلاف حق ظاہر ہو جانے کے بعد بھی تقلید جائز نہیں، ایسی جگہوں پر تقلید کی صورت میں مقلد آدمی اللہ اور رسول کا نافرمان ہوگا۔ (۳)

---

(۱) مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۰/ ۲۰۴ و ۱۹/ ۲۶۳ و ۲۸/ ۳۸۸۔

(۲) جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/ ۹۹۳۔

(۳) اعلام الموقعین: ۳/ ۴۴۷، اور دیکھیں: مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۰/ ۱۵، ۱۶۔

ایسے مقلد کی اللہ رب العزت نے سخت مذمت فرمائی ہے۔ جو آباء واجداد کے فعل کے خلاف حجت قائم ہو جانے کے بعد بھی انہی کی تقلید کرتا ہے۔

علامہ ابن عبد البر کہتے ہیں: قرآن کریم میں کئی جگہوں پر اللہ تعالی نے تقلید کی مذمت فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا: اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (التوبۃ: ۳۱)

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور راہبوں کو رب بنالیا۔

پھر حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایت کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کی تھی، بلکہ انہوں نے حلال وحرام میں ان کی پیروی کی تھی۔ اسی طرح عدی بن حاتم کی روایت کا بھی ذکر کیا ہے۔

عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس حالت میں حاضر ہوا کہ میری گردن میں صلیب لٹک رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عدی! ''اَلْقِ هٰذَا الْوَثَنَ مِنْ عُنُقِكَ'' اپنی گردن سے یہ بت نکال پھینکو!'' اور میں آپ تک پہنچا تو آپ سورۃ التوبہ کی تلاوت فرمارہے تھے، جب اس آیت پر پہنچے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (التوبۃ: ۳۱)

کہ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور راہبوں کو رب بنالیا۔

تو میں نے کہا: اللہ کے رسول! ہم نے انہیں رب نہیں بنایا ہے، آپ نے فرمایا: کیوں نہیں کیا یہ بات نہیں کہ جس حرام چیز کو وہ حلال کر دیتے تم اسے حلال جانتے اور جس حلال چیز کو حرام کر دیتے تم اسے حرام جانتے؟ تو میں نے کہا: ''ہاں'' یہ بات تو ہے تو آپ نے فرمایا: کہ یہی ان کی عبات ہوئی۔ (۱)

---

(۱) سنن الترمذی، ص: ۶۹۴، حدیث نمبر: ۳۰۹۵۔ السنن الکبری للبیہقی: ۱/ ۱۱۶۔ الفقیہ والمتفقہ: ۲/ ۶۶۔

اسی طرح تقلید کی مذمت میں کچھ اور آیتوں کا ذکر کر کے کہا کہ اس طرح کی آیتیں قرآن کریم میں بہت ہیں جن میں آباء اور بڑے لوگوں کی تقلید کی مذمت ہے۔

پھر کہا: کہ علماء کرام نے ان آیات سے تقلید کے ابطال پر احتجاج کیا ہے، وہ لوگ اگرچہ کافر تھے اور آیتیں انہی کے متعلق ہیں اس کے باوجود ان سے استدلال کیا ہے کیونکہ ان میں ایک کے کفر اور دوسرے کے ایمان کی حیثیت سے تشبیہ نہیں دی گئی ہے۔ بلکہ مقلد کی بغیر دلیل کے تقلید اور کفار کی تقلید میں تشبیہ ہے۔

جیسا کہ کوئی کسی کی تقلید میں کفر کرے دوسرا کسی کی تقلید میں گناہ کرے، کوئی دنیا کے کسی معاملے میں تقلید کر کے غلطی کرے ان میں سے ہر ایک بغیر دلیل کے تقلید کرنے میں مستحق ملامت وسرزنش ہوا، کیونکہ یہ سب تقلیدیں ایک دوسری جیسی ہیں اگرچہ گناہ کے درجات مختلف ہوں اور جب تقلید باطل ہوئی تو پھر اصول یعنی کتاب وسنت اور جو ان سے مستنبط مسائل ہیں، ان کی اتباع واجب ہوئی۔

اس کے بعد ابن عبد البر نے مرفوع وغیر مرفوع ان بعض آثار کا ذکر کیا ہے جن میں عالم کی غلطی اور لغزش کے امکان کا ذکر ہے، اور کہا ہے کہ:

”جب یہ بات حق ہے کہ عالم غلطی کر سکتا ہے تو کسی کے لیے جائز ہی نہیں کہ کسی قول کے مطابق فتویٰ دے یا اس پر عمل کرے جب تک اس کی دلیل کا علم نہ ہو۔

پھر ذم تقلید میں کچھ سلف کے اقوال نقل کیے اور کہا: کہ ہر فہم رکھنے والے اور ہدایت یاب شخص کے لیے ان سب ادلہ سے تقلید کی نفی اور اس کا ابطال ثابت ہوتا ہے۔

اس کے بعد کہا: تقلید کی نفی عوام کے حق میں نہیں، علماء کے حق میں ہے۔ عوام کے لیے مسائل میں اپنے علماء کی طرف رجوع لابدی چیز ہے۔ کیونکہ عوام دلیل کو جان نہیں سکتے اور نہ ہی سمجھ سکتے

ہیں۔ کیونکہ علم کے کئی مراتب و درجات ہیں، اعلیٰ مرتبے پر پہنچنے کے لیے ادنیٰ درجات کا سیکھنا ضروری ہے اور عوام الناس قاصر ہیں۔ اور علماء کا اتفاق ہے کہ عوام پر اپنے علماء کی طرف رجوع کرنا اور ان سے مسائل دریافت کرنا واجب ہے، یہی علماء اس آیت میں مراد ہیں:

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (الانبیاء:۷)

یعنی ''جاننے والوں سے پوچھ لو اگر تمہیں علم نہیں۔''

اسی طرح علماء کا اجماع ہے کہ اندھے کے اوپر اگر قبلہ مشتبہ ہو گیا تو قبلہ کو جاننے کے لیے کسی ثقہ اور اعتماد کے آدمی کی رہنمائی ضروری ہے۔ اسی طرح جس کو دین کا علم نہیں اس پر عالم سے رجوع اور مسائل کا استفسار ضروری ہے۔

نیز علماء کا اتفاق ہے کہ عوام کو فتویٰ دینا جائز نہیں کیونکہ جس سے حلال وحرام کو جانا جا سکتا ہے اس سے عوام کورے ہوتے ہیں۔''(۱)

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/ ۹۷۵، ۹۸۹۔ مزید دیکھیں: الفقیہ والمتفقہ: ۲/ ۶۸۔ اعلام الموقعین: ۳/ ۷ ۴۴ وما بعدہا۔

فَصْلٌ 5

کیا ایک مسلمان پر کسی خاص مذہب کی تقلید لازم ہے؟

کیا ایک مسلمان پر کسی خاص مذہب کی تقلید لازم ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عالم ہو یا عامی کسی مسلمان کے لیے جائز ہی نہیں کہ ہر مسئلے میں وہ کسی ایک امام کے تمام منقول اقوال کی اتباع کرے، چہ جائیکہ اسے واجب کہا جائے۔ وجوب کے قول کی کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے خلاف دلیل قائم وثابت ہے۔

کیونکہ اسے واجب کہنے اور اس کو واجب سمجھ کر عمل کرنے میں بسا اوقات اللہ اور رسول کی مخالفت کا خطرہ ہے۔

پھر ائمہ کی طرف بہت سے اقوال کی نسبت صحیح نہیں معلوم ہوتی۔

اگر نسبت صحیح بھی ہو مگر نصوص کتاب وسنت کے خلاف ہوں تو ان کا ترک اور رجوع الی الکتاب والسنۃ واجب ہوگا۔

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے لیے استدلال کی ضرورت یہاں نہیں ہے۔ میں نے اپنی کتاب ''الاتباع'' میں ان دلیلوں کا مبسوط ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ سے پوچھا گیا! کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور ائمہ دین رحمہم اللہ اس مسئلے میں کہ کسی آدمی سے سوال کیا گیا کہ تمہارا کیا مذہب ہے؟

تو اس نے جواب میں کہا: کہ میرا مذہب محمدی ہے، کتاب اللہ اور سنت رسول کی اتباع کرتا ہوں، تو اس سے کہا جاتا ہے، کہ ہر مسلمان کو چاہئے کہ کسی مذہب کی پیروی کرے! اور جس کا کوئی

مذہب نہیں وہ شیطان ہے۔

اس نے جواب میں کہا: تو بتاؤ کہ ابوبکر صدیق اور ان کے بعد خلفاء رضی اللہ عنہم کا کیا مذہب تھا؟ پھر بھی اس سے کہا گیا کہ ان مذاہب میں سے کسی نہ کسی مذہب کی اتباع ضروری ہے تو آپ فرمائیں! کہ ان دونوں میں سے کس کی بات صحیح ہے؟ فتویٰ دے کر اجر حاصل کریں!

شیخ الاسلام نے جواب دیا: بے شک لوگوں پر اللہ و رسول اور اولیاء امور (علماء اور حکام) کی اطاعت واجب ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء:۵۹)

اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اولیاء امور کی۔

اولیاء امور کی اطاعت مستقل نہیں بلکہ اللہ اور رسول کی اطاعت کے تابع ہے۔

پھر فرمایا:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿٥٩﴾ (النساء:۵۹)

اگر تم لوگ کسی چیز میں اختلاف کرو، تو تمہارے ایمان باللہ والیوم الآخر کا تقاضہ ہے کہ اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹا دو۔ یہی تمہارے انجام و عاقبت کے لیے بہتر ہے۔

اور مسلمان کو جب کوئی مسئلہ درپیش ہو جائے تو اسے اس عالم سے مسئلہ دریافت کرنا ہے جس کے بارے میں لوگوں کا اعتقاد ہے کہ وہ اللہ کی شریعت سے فتویٰ دیتا ہے، مفتی کسی بھی مذہب کا ہو اور کسی مسلمان پر کسی شخص معین کے مذہب کا التزام واجب نہیں۔

صرف رسول اللہ ﷺ ہی کے اوامر واخبار کا التزام واجب ہے۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ

کے علاوہ ہر ایک کی بات کو لیا جا سکتا ہے اور چھوڑا بھی جا سکتا ہے۔

البتہ کسی بھی شخص کے لیے شریعت کے جاننے سے عاجز ہونے کی بنا پر کسی خاص شخص کے مذہب کی اتباع جائز ہے۔ پھر بھی اگر اس خاص مذہب کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے شریعت کے جاننے کا امکان ہو تو پہلے شخص کی اتباع واجب نہیں۔ ہر ایک پر واجب ہے کہ حسب استطاعت اللہ سے ڈرے اور اللہ اور رسول کے احکام کو تلاش کرے، مامورات پر عمل کرے اور ممنوعات سے بچے۔ [1]

امام ابن تیمیہ سے سوال کیا گیا کہ کسی حنفی نے صلاۃ پڑھی، نیت چپکے سے کی اور ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھاتا رہا؟ تو حنفی فقیہ نے کہا: کہ تمہارے یہ سب اعمال جائز نہیں! تم نے بدعت کیا، تم مذبذب ہو، نہ اپنے امام کی اقتداء کی، نہ مذہب کی۔

سوال یہ ہے کہ کیا اس کے اس فعل سے اس کی صلاۃ میں نقص ہوا؟ اور کیا سنت اور امام کی مخالفت ہوئی؟

شیخ الاسلام نے خاص اس مسئلے کا جواب دینے کے بعد کہا ہے کہ اگر کوئی مذاہب اربعہ میں کسی کا متبع ہے مگر بعض مسائل میں اس نے دیکھا کہ دوسرا مذہب زیادہ قوی ہے۔ اور اس کی اتباع کر لی تو اس نے اچھا کیا۔ یہ کام بلا نزاع اس کے دین اور دیانت میں قادح نہ ہوگا بلکہ وہی حق پر ہے، اور اللہ اور اس کے رسول کے یہاں نبی کریم ﷺ کے لئے تعصب کرنا کسی اور کے لئے تعصب کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔ جیسے کوئی مالک، شافعی، احمد، ابوحنیفہ رحمہم اللہ کے مذہب پر تعصب کرتا ہے اور اس کا عقیدہ ہے کہ اس خاص امام ہی کا قول درست ہے دوسرے امام کا قول صحیح نہیں۔ جو ایسا کرتا ہے وہ جاہل، گمراہ ہے بلکہ کبھی کافر بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جب اس کا یہ

---

(۱) فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۰ / ۲۰۸، ۲۰۹ و ۲۰ / ۸، ۹ و ۲۱ / ۲۱۱ و ۶۹، ۷۰۔

عقیدہ ہے کہ سب لوگوں پر ائمہ میں سے صرف خاص ایک ہی امام کی اتباع واجب ہے دوسرے کسی کی نہیں تو اس سے توبہ طلب کی جائے، اگر توبہ نہیں کرتا ہے تو قتل کر دیا جائے۔

اس مسئلہ میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جائے گا کہ عامی کو چاہئے کہ کسی بھی ثقہ اور قابل اعتماد عالم سے رجوع ہو کر مسئلہ کا حل دریافت کر لے، لیکن بعینہ کسی ایک کی تقلید زید وعمرو جیسے کی واجب ہر گز نہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ عوام پر فلاں اور فلاں کی تقلید واجب ہے تو کوئی مسلمان ایسی بات نہیں کہہ سکتا![1]

واضح ہو کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کفر اور توبہ طلب کرنے یا قتل کرنے کا جو فتوی دیا ہے، یہ فتوی اس شخص کے اوپر ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ لوگوں پر کسی نہ کسی ایک ہی امام کے تمام اقوال کی اتباع واجب ہے۔ کیونکہ یہ منصب صرف رسول اللہ ﷺ کا ہے اور جس نے اس کے خلاف عقیدہ رکھا تو اس نے اپنے امام کو نبی کریم ﷺ کا درجہ دے دیا۔

اسی وجہ سے امام رحمہ اللہ کو سخت غصہ آیا اور مذکورہ حکم شرعی صادر کیا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے بھی بعینہ اسی طرح کی بات کہی ہے۔

”وأشهد لله وبالله أنه كفر بالله أن يعتقد في رجل من الأمة ممن يخطيء ويصيب أن الله كتب علي اتباعه حتما، وأن الواجب علي هو الذي يوجب هذا الرجل علي، ولكن الشريعة الحقة قد ثبتت قبل هذا الرجل بزمان“۔

اللہ کے لئے اور اللہ کی گواہی دیتا ہوں کہ میں یہ عقیدہ رکھنا کفر سمجھتا ہوں کہ ایک ایسا آدمی جس سے خطا اور صواب دونوں سرزد ہو سکتے ہیں وہ جو مجھ پر واجب کرے وہ واقعی

---

(۱) مجموعہ فتاوی شیخ الاسلام: ۲۲/ ۲۴۵-۲۴۹، اسی طرح دیکھیں: ۲۰/ ۸، ۹و۲۱۱/ ۲۱و۱۹/ ۶۹، ۷۰۔

واجب ہوگا۔ شریعت حقہ تو اس بزرگ سے بہت پہلے ثابت ہو چکی ہے۔ (۱)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کسی شخص نے مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب پر فقہ کی بصیرت حاصل کی، اس کے بعد حدیث رسول ﷺ پڑھی تو اسے معلوم ہوا کہ وہ مذہب کئی صحیح احادیث جن کا کوئی ناسخ، مخصص یا معارض نہیں ہے ان کے خلاف ہے۔ تو کیا ایسی حالت میں اس کا مذہب پر عمل کرنا جائز ہے، یا مذہب سے اختلاف کر کے صحیح احایث پر عمل کرنا اس کے لیے واجب ہے؟ آپ نے جواب دیا:

الحمدللہ: کتاب وسنت اور اجماع امت سے یہ چیز ثابت ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مخلوق پر اپنی اطاعت اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کو فرض کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ امت پر کسی خاص شخص کی ہر امر ونہی میں اتباع کو واجب نہیں کیا ہے۔

یہاں تک کہ اس امت کے صدیق (ابوبکر) نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے افضل نے بھی کہہ دیا تھا:

”أَطِيعُونِي مَا أَطَعْتُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ، فَإِذَا عَصَيْتُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَلَا طَاعَةَ لِي عَلَيْكُمْ“

کہ جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں اس وقت تک میری اطاعت کرو! اگر میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تمہارے اوپر میری اطاعت نہ واجب ہے نہ جائز۔

اس بات پر امت کا اتفاق ہے کہ کوئی بھی نبی ﷺ کے علاوہ اپنے امر اور نہی میں معصوم اور بے خطا نہیں ہے۔

---

(۱) تفہیمات: ۱/ ۲۱۱۔

ہمارے ائمہ اربعہ رحمہم اللہ نے بھی اپنی ہر بات کی تقلید کرنے سے روکا ہے اور یہی ان پر واجب بھی تھا۔

پھر امام رحمہ اللہ نے ائمہ اربعہ کے اقوال نقل کئے اور دیگر بعض دلائل کا ذکر کر کے کہا: کہ جو کسی مذہب سے متعلق ہے اس کے لیے کسی خاص امام کی تقلید واجب نہیں! پھر کہا:

اگر یہ دروازہ کھول دیا جائے تو اللہ و رسول کے حکم کا چھوڑنا واجب ہو جائے گا اور ہر امام اپنے مقلدین کے درمیان اس طرح ہو جائے گا جس طرح کسی نبی کا رتبہ اپنی امت کے درمیان ہوتا ہے۔

اس صورت میں دین کو بدلنا ہو جائے گا۔ اور اللہ رب العزت نے جس چیز کی بنا پر نصاریٰ کی مذمت کی ہے اس کے مشابہ ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳۱ ۔ (۱)

علامہ ابن قیم نے ایک سوال کا ذکر کیا اور پھر اس کا جواب لکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ کیا عام آدمی پر مذاہب معروفہ میں سے کسی مذہب کا اختیار و التزام لازم ہے؟

کہتے ہیں کہ اس مسئلے میں دو رائیں ہیں:

ایک یہ کہ کسی پر کسی مذہب کا التزام لازم نہیں اور یہی رائے درست ہے۔ کیونکہ واجب وہی چیز ہو سکتی ہے جس کو اللہ و رسول نے واجب کیا ہو اور اللہ و رسول نے کسی پر کسی آدمی کے مذہب کے اختیار کرنے کو اور اس کی تقلید کو واجب نہیں کیا ہے۔ خیر القرون کے لوگ نسبت مذہب سے

---

(۱) سورۃ التوبۃ: ۳۱، مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۰ / ۲۱۰، ۲۱۱۔

پاک اور بری تھے۔

بلکہ عامی کو حق نہیں کہ کسی مذہب کا اختیار کرے۔اس کا کوئی مذہب نہیں، کیونکہ مذہب تو اس کا ہوتا ہے جسے مذہب کے بارے میں کچھ شد بود ہو اور جس نے مذہب کی کتاب پڑھی ہو، اپنے امام کے فتاویٰ اور اقوال سے باخبر ہو، جو اس کی مطلق اہلیت نہ رکھتا ہو تو محض کہہ لینے سے وہ شافعی اور حنبلی نہیں ہوسکتا، جس طرح اپنے کو فقیہ یا نحوی یا کاتب کہہ لینے سے ان صفات سے متصف نہیں ہوسکتا۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ اپنے کو شافعی یا مالکی یا حنفی کہنے والے کا دعویٰ ہوتا ہے کہ وہ اس امام کے طریقے پر چلتا ہے، یہ دعویٰ اس وقت صحیح ہوتا جب وہ امام کے علم وفقہ اور اصول استدلال پر چلتا۔مگر امام کے علم اور ان کی علمی سیرت اور طریقہ استدلال سے نابلد ہوتے ہوئے محض دعویٰ کر لینے سے یہ انتساب کیونکر صحیح ہوگا۔

اس لیے عامی کے لیے کسی مذہب کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور اگر کوئی تصور بھی کر لے تو اسے یا کسی کو کسی ایک امام کے مذہب اور تمام اقوال کا لینا لازم نہیں۔

امت میں تقلید ایک بری بدعت ہے اس کے اختیار کرنے کا کسی امام نے حکم نہیں دیا ہے۔وہ اللہ اور رسول کے بارے میں زیادہ جاننے والے تھے۔ان کا مرتبہ اس سے بہت اونچا ہے کہ کسی کو کسی مذہب کا پابند کریں۔

اللہ اکبر! مقام تعجب ہے کہ صحابہ رسول، تابعین واتباع تابعین اور تمام ائمہ اسلام کے مذاہب مٹ گئے، اور پوری امت اور فقہاء امت کے درمیان صرف چار ہی ائمہ کے مذاہب رہ گئے؟ کیا یہ بات کسی امام نے کہی ہے؟ یا اس کی طرف دعوت دی ہے یا ان کے کلام کا ایک لفظ ہی اس پر دلالت کرتا ہے؟

جس چیز کو اللہ رب العزت نے صحابہ، تابعین واتباع تابعین پر واجب کیا تھا وہی چیز قیامت تک آنے والوں پر واجب کی ہے۔ واجب اور فرض کی کیفیت اس کی مقدار، قدرت یا عدم استطاعت کی بنا پر زمان ومکان یا خاص حالت کی بنا پر بھلے ہی بدل جائے، لیکن اصل واجب کسی طرح نہیں بدل سکتا۔

عامی کے لیے مذہب ثابت کرنے والے کہتے ہیں کہ اس کا عقیدہ ہوتا ہے کہ وہ جس مذہب کی طرف انتساب کر رہا ہے وہی حق ہے، اور اس کے اوپر عمل واجب ہے۔

ان کا یہ کہنا اگر صحیح مان لیا جائے، تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اس عامی کے لیے دوسرے مذہب کے لوگوں سے فتویٰ پوچھنا حرام ہوگا جب کہ دوسرے مذہب کو لینے کو حرام کرنا فاسد خیال ہے۔ بلکہ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ دوسرے امام کے ساتھ اگر سنت رسول یا خلفاء اربعہ کا قول ہو، انہیں بھی اپنے امام کے قول کے سامنے چھوڑ دے۔

اس وجہ سے عامی کے لیے ہر کسی مذہب کے مفتی سے فتویٰ لینا جائز ہے۔ اس پر یا خود مفتی پر فرض نہیں کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کے مذہب کا پابند رہے۔ اس بات پر امت کا اجماع ہے۔ اسی طرح کسی عالم پر واجب نہیں کہ صرف اپنے شہر کے یا کسی اور شہر کے لوگوں ہی کی حدیث کا پابند رہے۔ جہاں سے بھی صحیح حدیث مل جائے یمن، حجاز، شام مصر یا عراق سے ہو! اس پر عمل واجب ہے۔ (۱)

ابن ابی العز حنفی کہتے ہیں:

جس مسئلے میں دلیل ظاہر نہ ہوئی اس میں کسی نے کسی خاص امام کی تقلید کی تو یہ جائز ہے بلکہ ضرورت کے وقت واجب ہوگی جب مسئلہ سامنے ہو اور اللہ کا حکم نہ جان سکے اور کوئی اس امام کے

---

(۱) اعلام الموقعین: ٦/ ٢٠٣، ٢٠٥۔

قول کا مخالف بھی نہ ہو۔

اور امام کی تقلید دلیل ظاہر ہونے کے بعد کی تو یہ تقلید نہ ہوگی بلکہ دلیل کی اتباع ہوگی۔ ہاں اگر نیت امام ہی کی تقلید ہو دلیل کی اتباع کی نیت نہ ہوتو مقلد ہوگا کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

اور اگر امام کے قول کے خلاف دلیل ظاہر ہوتے ہوئے امام کی تقلید کی، یا خود دلیل کو دیکھ کر مسئلہ کو سمجھ سکتا ہے اس کے باوجود تقلید کی تو یہی مذموم تقلید ہے کیونکہ اس قسم کا مقلد ان لوگوں کے زمرہ میں داخل ہے جنہوں نے کہا تھا:

إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِمْ مُقْتَدُونَ ﴿٢٣﴾ (الزخرف: ۲۳)

کہ ہم نے اپنے آباء واجداد کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم تو انہیں کی اقتداء کریں گے۔

نیز ان لوگوں میں سے ہوگا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا (البقرة: ۱۷۰)

کہ جب ان سے کہا جاتا ہے اللہ نے جو حکم نازل فرمایا ہے اس کی اتباع کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے آباء واجداد ہی کے طریقے کی اتباع کریں گے۔ (۱)

مزید کہا ہے: کہ تعصب دو قسم کا ہے۔

ایک یہ کہ آدمی نبی ﷺ کے علاوہ مالک، ابوحنیفہ، شافعی اور احمد میں سے کسی ایک کے مسلک پر تعصب کرے اور یہ سمجھے کہ دوسرے ائمہ کے علاوہ انہی کے امام کا قول صواب اور لائق اتباع ہے، تو وہ جاہل اور گمراہ ہے۔

(۱) الاتباع: ص ۲۳۔

اور اگر یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ دوسرے ائمہ کے علاوہ صرف اسی امام کی تقلید لوگوں پر واجب ہے تو اس کے لیے بڑے خطرے کا خوف ہے۔

کیونکہ اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی شخص کی ہر بات کی اطاعت فرض نہیں! بلکہ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ عامی کے لیے جائز ہے یا واجب ہے کہ ائمہ میں سے کسی مخصوص امام کی تعیین کے بغیر بوقت ضرورت کسی سے مسئلہ دریافت کرلے۔ اگر کوئی کہے کہ امت مسلمہ پر فلاں اور فلاں کی تقلید واجب ہے تو یہ خوفناک بات ہے، جو شخص ائمہ میں سے کسی ایک کے لیے تعصب برتتا ہے وہ اسی شخص کی طرح ہے جو کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے لیے تعصب کرتا ہے جس طرح ایک رافضی خلفاء میں سے صرف علی رضی اللہ عنہ کے لیے تعصب رکھتا ہے، یقیناً یہ ہویٰ اور خواہش پرستی کا طریقہ ہے۔ (۱)

بدر الدین الزرکشی (۷۴۵-۷۹۴ھ) کہتے ہیں: کہ سوال یہ ہے کہ کیا عامی کے اوپر ہر مسئلے میں کسی خاص مذہب کا تمسک لازم ہے؟

پھر انہوں نے وجوب اور عدم وجوب کے دونوں اقوال کو نقل کر کے کہا:

بعض خلفاء نے امام مالک کے زمانے میں اسلامی ملک میں لوگوں کو امام مالک کے مذہب پر مجبور کرنے کا عزم کرلیا تھا، لیکن امام مالک نے انہیں اس عزم کی تکمیل سے منع کر دیا تھا۔ اور دلیل میں کہا کہ اللہ رب العزت نے بلاد اسلامیہ میں علماء کو منتشر کر کے ان کے علم کو پھیلا دیا ہے۔

تو دیکھئے امام مالک لوگوں کو ایک مذہب کا مکلف کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ حالانکہ ان کا رتبہ یہ تھا کہ لوگ کہتے تھے "لَا يُفْتِي اَحَدٌ وَمَالِكٌ بِالْمَدِينَةِ"۔

کہ امام مالک کے ہوتے ہوئے مدینہ میں کوئی فتویٰ نہ دے۔

---

(۱) الاتباع: ص ۷۹، ۸۰۔

بعض حنابلہ نے ذکر کیا ہے کہ یہی امام احمد کا بھی مذہب ہے آپ نے اپنے بعض تلامذہ سے کہا کہ اپنی رائے پر کسی کو مجبور نہ کرو! کہ وہ تنگی میں پڑ جائیں گے، لوگوں کو چھوڑ دو! لوگوں کے مذاہب سے رخصت لیں۔

طلاق کا کوئی مسئلہ آپ سے پوچھا گیا، تو آپ نے کہا: کہ طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ کسی نے کہا: اگر کسی نے فتویٰ دیا کہ نہیں واقع ہوتی ہے، کہا: ہاں یہ بھی جائز ہے، اور رصافہ میں اہل مدینہ کے حلقے کو بتایا اور سائل نے کہا: کہ اگر وہ جائز ہونے کا فتویٰ دے تو جائز ہے۔ کہا کہ ہاں۔ (۱)

ائمہ کے اس طرح کے بہت سے اقوال ائمہ کی کتابوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں ابن عبدالبر کی ''جامع بیان العلم وفضلہ''، شاطبی کی ''الاعتصام'' اور ''الموافقات'' العز ابن السلام کی ''قواعد الاحکام'' ابن ابی العز حنفی کی ''الاتباع''، ابن القیم کی ''اعلام الموقعین عن رب العالمین'' ابوشامہ مقدسی کی ''خطبۃ الکتاب المؤمل للرد إلی الامر الاول''، شوکانی کی ''القول المفید'' شاہ ولی اللہ الدہلوی کی ''الانصاف''، شنقیطی کی ''أضواء البیان'' میں ''أفلا یتدبرون القرآن'' کی تفسیر کے تحت، علامہ البانی کی ''صفۃ صلاۃ النبی ﷺ'' کا مقدمہ، عید عباسی کی ''بدعۃ التعصب المذہبی'' وغیرہ رحم اللہ الجمیع أحیائہم وأمواتہم۔

اس کے بعد میرا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو دین کامل دے کر خاتم النبیین بنا کر بھیجا، اس دین کے ذریعہ لوگوں پر اپنی نعمت کا اتمام فرمایا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ مجھ سے پہلے جتنے انبیاء تھے سب پر واجب تھا کہ اللہ نے جو بھی خیر کی بات انہیں بتائی ہے وہ اپنی امت کو بتا دیں اور جو شر ان کو معلوم ہے اس سے امت کو ڈرا دیں۔ اور تمہاری اس امت میں پہلے لوگوں کے ساتھ اللہ نے عافیت رکھی ہے۔ مگر آخر کے لوگوں کو شخصی مصائب کا سامنا کرنا پڑے

---

(۱) البحر المحیط: ۶: ۳۱۹۔

گا۔انہیں ایسے امور سے دوچار ہونا پڑے گا جن کو تم ناپسند کرتے ہو۔فتنوں کا سلسلہ ایسا ہوگا کہ دوسرا فتنہ پہلے فتنوں کو ہلکا کردے گا۔

فتنہ آئے گا مومن کہے گا کہ یہ تو مجھے ہلاک کر کے چھوڑے گا۔پھر دور ہو جائے گا اور دوسرا فتنہ آئے گا۔پھر تیسرا ہر ایک کے بارے میں کہے گا کہ یہ ہلاک کرنے والا ہے۔(۱)

اس لیے ہمیں معمولی بھی شک نہیں اور نہ ہی کسی مسلمان کو اس میں شک کرنا جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر خیر اور شر کی خبر دے دی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق امت کو ہدایت بھی دی ہے کہ ضرورت کے وقت انہیں کیا کرنا ہے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ہونے والے ان فتنوں کی خبر دی ہے جو سمندر کی موجوں کی طرح تھپیڑے لیں گے اور آدمی قبر سے گزرے گا تو مصیبت سے گھبرا کر تمنا کرے گا کہ کاش میں اس قبر میں ہوتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت سے پہلے کی نشانیوں کی بھی نشاندہی فرمائی ہے کہ فرات دریا سے سونے کا پہاڑ ظاہر ہوگا، قسطنطنیہ کا شہر فتح ہوگا، دجال نکلے گا، عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے، رومی آگے بڑھ کر قتل وغارت گری کریں گے، مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ فتوحات سے نوازے گا، ارض حجاز سے آگ نکلے گی۔لوگ آخری زمانے میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کو چھوڑ جائیں گے، مدینہ خالی ہو جائے گا، بھیڑئے مسجد نبوی کے کھمبوں کے ساتھ بیٹھے ہوں گے، قبیلۂ دوس کے لوگ ذو الخلصہ کی عبادت کرنے لگیں گے۔

ان کے علاوہ اور بہت سے فتنوں اور خطرات کی خبر دے دی ہے تاکہ امت ان فتنوں میں گمراہ نہ ہو۔اور پہلے سے اس کی تیاری کر لے۔

---

(۱) صحیح مسلم، ص: ۱۷۴۲، ۱۷۴۳۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے اویس قرنی کے بارے میں صحابہ کو بتایا۔ انہیں نہ صحابہ جانتے تھے نہ خود نبی کریم جانتے تھے۔ اللہ نے وحی کے ذریعہ قرنی اوران کی خاص صفات کے بارے میں آپ کو بتایا اور آپ نے صحابہ کو بتایا۔

صحیح مسلم میں ہے اُسیر بن جابر کہتے ہیں کہ جب یمن کے وفود آتے تو عمر رضی اللہ عنہ ان سے پوچھتے، تم میں کوئی اویس نام کا ہے؟ یہاں تک کہ اویس سے ملاقات ہوئی، پوچھا تم ہی اویس بن عامر ہو؟ کہا: ''ہاں'' کہا: کہ قبیلہ مراد کی شاخ قرن سے ہو؟ جواب دیا: ''ہاں''، پوچھا تمہیں برص کی بیماری تھی اور تم اس سے شفایاب ہو گئے، سوائے ایک درہم کی مقدار کے جو باقی رہ گیا ہے؟ کہا: ہاں! پوچھا: تمہاری والدہ ہیں؟ کہا: ہاں، پھر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ یمن کے وفود کے ساتھ مراد اور قرن کے اویس بن عامر آئیں گے، ان کو برص کی بیماری تھی، ایک درہم کی مقدار کے علاوہ اس مرض سے شفایاب ہو گئے ہیں۔ وہ اپنی والدہ کے بڑے خدمت گزار ہیں، اگر کسی چیز کی خاطر اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم کو پوری کردے گا۔

اے عمر! اگر تم ان سے مغفرت کی دعا لے سکو تو لے لینا! تو اے اویس! میرے لیے مغفرت کی دعا کرو، میرے لیے مغفرت کی دعا کرو۔

اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ کہا: کوفہ جانا چاہتا ہوں۔ کہا: کوفہ کے گورنر کو لکھ دوں کہ تمہارا خیال رکھیں؟ اویس نے کہا: عام لوگوں کی طرح رہنا مجھے زیادہ پسند ہے۔[1]

علامہ نووی کہتے ہیں کہ اس حدیث میں والدین کی خدمت اور اپنے کو چھپا کر عزلت میں

(۱) صحیح مسلم: ۴/ ۱۹۶۹، حدیث نمبر: ۲۵۴۲۔

رہنے کی فضیلت کا بیان ہے۔ (۱)

عرض یہ ہے کہ جب اللہ رب العزت نے ان حوادث جسیمہ کی وحی کی اور جب نبی کریم ﷺ نے فتن وغیرہ کی امت کو خبر دی، اویس کے بارے میں والدہ کی خدمت کی فضیلت اور ان کے صلاح وتقویٰ کو بیان کرنے کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو وحی کی اور آپ نے اس کی خبر صحابہ اور امت کو دی، تاکہ امت ان کی طرح کے خیر کے اعمال میں سبقت کرے۔

اویس ایک تابعی ہیں، انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھ کر صحابیت کی فضیلت بھی حاصل نہ کی، نہ نبی ﷺ نے انہیں دیکھا اور عمر رضی اللہ عنہ صحابیٔ جلیل خلیفۂ رسول کو حکم دیا گیا کہ ان سے دعائے مغفرت طلب کریں! اس میں کوئی شک نہیں کہ خدمت کی بنا پر اویس کو یہ بہت بڑی فضیلت ومنقبت ملی۔

جب اللہ رب العزت نے پھر نبی کریم ﷺ نے اویس قرنی کے بارے میں خبر دی، حالانکہ جن ائمہ رحمہم اللہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ دین کے تمام امور میں ان میں سے کسی کی تقلید امت پر واجب ہے اور قیامت تک انہی ائمہ کی تقلید پر دین کا مدار ہے، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان کی اہمیت یقیناً اویس قرنی کی اہمیت اور فضیلت سے ہزاروں درجہ بڑھ کر ہے، کیونکہ دین کا دارومدار انہی پر ہوا، تو کیا کوئی عقلمند یہ بات قبول کرسکتا ہے کہ اس اہمیت کے باوجود بھی زمین وآسمان کے پیدا کرنے والے علام الغیوب رب نے اور پھر نبی رحمۃ للعالمین ﷺ نے ائمہ کی تقلید کے وجوب اور فرضیت کا بیان کرنا چھوڑ دیا۔ کیا ایسا ممکن ہے؟

یہ ایسا سوال ہے جو عقل وفکر، علم وامانت، دین وایمان، انصاف وحق پسندی، اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو چیلنج کرتا ہے۔

---

(۱) شرح مسلم للنووی: ۱۶/ ۹۷۰۔

اللہ رب العزت والجلال کی قسم! اگر ان کی تقلید امت پر واجب ہوتی تو اللہ ورسول ﷺ ضرور بیان کر دیتے۔ اس لیے جو لوگوں کو مختلف مذاہب میں تقسیم کر رہے ہیں اور تقلید مذاہب کو واجب کہتے ہیں، عدم تقلید اور اتباع کو لامذہبیت کا نام دیتے ہیں، لامذہبیت کو بدعت کہتے ہیں ہم ان لوگوں سے دین وایمان اور حب اللہ والرسول اور قیامت میں اللہ جبار وقہار کے سامنے کھڑے ہوکر جواب دینے کا حوالہ دے کر پوچھتے ہیں، کہ تم کس دلیل سے ایسی چیز کو واجب کہتے ہو جسے اللہ اور رسول نے واجب نہیں کیا؟ اور جس کی بنا پر دوستی اور دشمنی کی جاتی ہے، کیا یہ دین میں نئی چیز کی ایجاد نہیں؟

کیا یہ بدعت نہیں؟ اگر نہیں ہے تو پھر بدعت کس چیز کو کہا جائے گا؟ آپ نے دیکھا کہ ائمہ عظام نے اسے بدعت کا نام دیا ہے۔

پھر یہ سوال بھی سر اٹھا رہا ہے کہ کیا ائمہ کرام رحمہ اللہ تقلید کے وجوب سے جاہل تھے؟ کہ اللہ کے واجب کرنے کے باوجود انہوں نے اپنے تلامذہ کو تقلید سے سختی سے منع کیا؟ اگر جانتے ہوئے بھی لوگوں کو اس واجب چیز سے انہوں نے منع کیا تھا تو ان پر (نعوذ باللہ) امت کی خیانت کا الزام عائد ہوتا ہے۔ یقیناً تقلید کو واجب کہنے کا یہی نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ کے وہ مبارک بندے اس گناہ سے پاک تھے، ہزار بار پاک تھے۔

کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اجماع امت بھی شرعی دلیل ہے، اور امت نے ائمہ کے مذاہب کے تقلید پر اجماع کیا ہے، اس لیے ایک امام کی تقلید واجب ہوئی۔

تو اس سلسلے میں مدلل بات یہ کہنی ہے کہ آپ نے تاریخ اسلام کی کتابوں، فقہاء عظام کی مؤلفات سے منقول عبارتوں کو دیکھا، اقوال فقہاء کو پڑھا جس سے واضح ہوتا ہے کہ کسی امام کی تقلید خاص پر کسی زمانے میں اجماع نہ ہوا، اور نہ تقلید شخصی کے دعویدار نے کبھی تقلید کی، عقیدے

میں کسی کی تقلید کو اختیار کیا، فروعی مسائل میں کسی اور کی تقلید کی، سلوک اور تزکیہ نفس کے مسائل میں کسی اور سے بیعت ہوئے تو پھر دین کے معاملے میں ایک کی تقلید کہاں ہوئی؟

ایک طالب علم باادب دریافت کر رہا ہے کہ تقلید پر اجماع کب ہوا؟ کس نے کیا؟ کہاں کیا؟ اور کیوں کیا؟ کس کے لیے کیا؟ کس کے لیے نہیں کیا؟ یا تمام امت کے لیے کیا؟ کیا کیا؟ یہ ایسے سوالات ہیں کہ جن کا جواب تقلید کے سہارے کے بغیر نہیں دیا جاسکتا۔ دلائل کتاب وسنت کی روشنی میں ان کا جواب محال ہے۔

اللہ رب العزت امت کو اپنے نبی کی عظمت اور امام الانبیاء والرسل کے حقوق کو پہچاننے کی توفیق دے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت جس کا مظہر آپ ہی کی اتباع خالص ہے اس سے نوازے۔ آمین۔

تو اس مسئلے کا خلاصہ یہ ہوا کہ عالم ہو یا عامی کسی شخص پر کسی مذہب کی تقلید واجب نہیں۔ بلکہ واجب یہ ہے کہ ہر ایک حتی الامکان اپنے دین کو سلف کے طریقے پر کتاب وسنت کی دلیلوں کی روشنی میں سیکھے۔ اور جب بھی کسی عام آدمی کو کوئی مسئلہ درپیش ہو تو کتاب وسنت کے معروف علماء میں سے کسی سے بھی مسئلہ پوچھ کر اس کی اتباع کرے! جیسا کہ اللہ کا حکم ہے:

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (الانبیاء:۷)

کتاب وسنت کے اہل علم سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔

فَصْلٌ 6

مذہبی تعصب

مذہبی تعصب

تعصب: عصبیت سے ماخوذ ہے، اور عصبیت یہ ہے کہ آدمی اپنے اقارب وقبیلہ کے ساتھ مل کر حق وناحق ان کی مدداور دفاع کرے۔

علامہ ابن منظور کہتے ہیں: ''حدیث میں ہے کہ ''عصبی'' اسے کہتے ہیں جو ظلم میں اپنی قوم کی مدد کرے یا جواپنی قوم کے لیے غصہ ہوتا ہےاوران سے دفاع کرتا ہے۔''[1]

مذاہب اسلامیہ کی اصطلاح میں تعصب کی تعریف یہ ہوگی کہ اسلام میں مختلف عقائدی اور فقہی مذاہب کا التزام کرنااور حق وباطل ہر حالت میں اس سے دفاع کرنا۔

حق کو چھوڑ کر باطل کی حمایت کرنا شرعاً مذموم ہے۔اور کسی ایک امام کی تقلید میں تعصب برتنا بلا شبہ امت کو مختلف فرقوں میں بانٹنا ہے۔

یہ تعصب یقیناً: إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ

جنہوں نے اپنے دین کو فرقوں میں بانٹ دیااور ایک دوسرے سے الگ الگ ہو گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ (سورۃ الانعام: ۱۵۹)

میں داخل ہے۔اسی وجہ سے محقق علماء نے اس مذموم تعصب کی مذمت کی ہے۔ کیونکہ اس کا انجام اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہے۔ کتنے تقلید کے متعصبین ہیں جو مذہب کے مخالف حدیث

(۱) سنن ابن ماجہ، ص: ۳۹۴۹ ضعیف۔ لسان العرب: ۱/ ۲۰۶۔

صحیح کو بھی رد کر دیتے ہیں۔ (۱)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''کسی کے لیے جائز نہیں کہ نبی ﷺ کے علاوہ امت کے لیے کسی شخص کو مقرر کر کے اس کے طریقے کی طرف دعوت دے۔ اور اسی پر دوستی اور دشمنی کی بنیاد رکھے۔

اسی طرح جائز نہیں کہ اللہ ورسول اور اجماع امت کے علاوہ امت کے لیے کسی کے قول کو مقرر کر دے کہ اس پر دوستی اور دشمنی کرے۔ بلکہ یہ بدعتی لوگوں کا کام ہے کہ اپنے لیے کسی خاص شخص اور خاص قول کو اختیار کر کے امت کے درمیان تفریق کرتے اور اسی پر دوستی اور دشمنی کی بنیاد رکھتے ہیں۔'' (۲)

مزید کہا ہے: کہ تمام ائمہ دین صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے منہج پر تھے۔ اور صحابہ کرام آپس میں محبت اور اتفاق سے رہ کر گئے! انہوں نے اگرچہ طہارۃ، صلاۃ، حج، طلاق، فرائض وغیرہ کے بعض شرعی مسائل میں اختلاف کیا تھا لیکن ان کا اجماع قطعی حجت شرعی ہے۔

جو کسی ایک امام کے لیے تعصب رکھے تو وہ اس رافضی کی طرح ہے جو خلفاء ثلاثہ اور دیگر تمام صحابہ کو چھوڑ کر صرف علی رضی اللہ عنہ کے لیے تعصب رکھتا ہے۔ یا اس خارجی کی طرح ہے جو عثمان وعلی رضی اللہ عنہما سے عداوت رکھتا ہے۔

یہ طریقہ اہل بدعت کا ہے جن کی مذمت کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ وہ شریعت اور منہج رسول ﷺ سے خارج ہے۔

تو جس شخص نے ائمہ اربعہ وغیرہ میں سے کسی ایک کے ساتھ تعصب برتا وہ روافض اور خوارج کے ساتھ ایک گونہ مشابہت رکھتا ہے۔

---

(۱) آگے فصل ''مساوی التعصب'' کو دیکھیں۔

(۲) مجموعۃ فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۰ / ۱۶۴۔

صرف ایک کے ساتھ تعصب رکھنے والے کا انجام کار یہ ہے کہ وہ اس امام کے مرتبہ علم ودین اور دوسرے ائمہ کے مرتبہ کے بارے میں جاہل ہے۔ جاہل ہونے کے ساتھ ساتھ ظالم بھی ہے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿٧٢﴾ لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ (الاحزاب: ۷۲، ۷۳)

امانت کو ظالم اور جاہل انسان نے اٹھا لیا تاکہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور عورتوں کو عذاب دے۔

ابو یوسف اور محمد رحمہا اللہ کو دیکھیں کہ: وہ امام ابو حنیفہ کے اقوال کے سب سے زیادہ جاننے والے اور ان کی اتباع کرنے والے تھے اس کے باوجود انہوں نے امام صاحب رحمہ اللہ سے بے شمار مسائل میں اختلاف کیا۔

جب سنت اور حجت واضح طور پر انہیں مل گئی اور ان دونوں ہی کی اتباع ان پر واجب تھی اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے امام کی غایت درجہ تعظیم بھی کرتے تھے' لہٰذا ان کو مذبذب نہیں کہا جائے گا بلکہ ابو حنیفہ وغیرہ تمام دوسرے ائمہ کو جب واضح دلیل مل جاتی تو اسی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ تو خود انہیں مذبذب نہ کہا جائے گا۔ کیونکہ انسان ہمیشہ علم کی تلاش میں رہتا ہے جس کا علم اس سے مخفی ہو علم ظاہر ہو جانے کے بعد اس کی پیروی کرنی ہے اس کو مذبذب نہیں کہا جائے گا بلکہ وہ ہدایت یاب ہے اللہ نے اس کو علم کی مزید ہدایت دی ہے۔ اللہ کا حکم ہے کہو!

رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا (سورۃ طہٰ: ۱۱۴)

اے میرے رب علم میں زیادتی فرما![1]

---

(۱) مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ۔ ۲۲: ۲۵۳۔

فَصْلٌ ⑦

احترام ائمہ رحمہم اللہ

احترام ائمہ رحمہم اللہ

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اللہ رب العزت نے سلف صالحین صحابہ، ائمہ وغیرہم کے لیے دعا واستغفار کرنا مومنوں پر واجب کیا ہے۔ وہ اپنے دلوں میں ان کی کراہت یا ان کے خلاف کینہ اور بغض کو جگہ نہ دیں۔ مہاجرین وانصار کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٠﴾ (الحشر:۱۰)

جو ان لوگوں کے بعد آئے ان کا شیوہ یہ ہے کہ وہ دعا کرتے ہیں، اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے بھائیوں کو بخش دے، جو ہم سے پہلے مسلمان رہ کر آگے جا چکے ہیں، ہمارے دلوں میں مومنوں کے خلاف بغض اور کینہ نہ ڈال! ہمارے رب تو بڑا مہربان، بہت ہی رحم کرنے والا ہے۔

اس لیے ہر مومن پر ان کا احترام بجالانا ان کے لیے دعا کرنا اور ان کے علم وفقہ سے استفادہ کرنا لازمی ہے۔ لیکن کسی فرد کے لیے جائز نہیں کہ ایمان ودین کے مسائل میں ائمہ کے اقوال کو لے کر اللہ کی وحی کتاب وسنت سے بے نیاز ہو جائے۔

علامہ شنقیطی رحمہ اللہ کہتے ہیں: جان لو کہ ائمہ اربعہ وغیرہم کے ساتھ ہمارا موقف وہی ہے جو تمام

انصاف پسند مسلمانوں کا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان کے علم، تقویٰ، اتباع کتاب وسنت، اور اپنی رائے پر کتاب وسنت کو مقدم کرنے کی بنا پر ہم ان سے محبت کرتے، ان کی تعریف وتعظیم کرتے، ان کے اقوال سے استفادہ کرتے ہیں اور کتاب وسنت کے خلاف ان کے اقوال کو چھوڑ دیتے ہیں۔

ان کے اجتہادات میں جن میں کوئی نص نہیں درست رائے یہ ہے کہ ان میں دیکھا جائے۔ ان کے اجتہادات کی اتباع خود ہمارے اپنے اجتہاد سے زیادہ افضل ہوگا کیونکہ وہ بزرگ علم اور تقویٰ میں ہم سب سے بڑھ کر تھے۔

لیکن ہم سب پر لازم ہے کہ اقوال مختلفہ میں سے اللہ کی رضامندی سے زیادہ قریب احتیاط سے زیادہ قریب اور شبہ سے زیادہ دور قول کو اختیار کریں۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

"دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لاَ يَرِيبُكَ"۔

شبہ کی چیز کو چھوڑ کر جس میں شبہ نہ ہو اسے اختیار کرو۔ (۱)

نیز فرمایا:

"مَنِ اتَّقَى الْشُبُهَاتِ فقداستَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ"۔

جو شبہ کی چیزوں سے بچا، اس نے اپنے دین اور آبرو کو بری کر لیا۔ (۲)

ائمہ کے بارے میں فیصلہ کی بات یہ ہے کہ وہ بزرگ علماء مسلمین میں سب سے اچھے لوگوں میں سے تھے، مگر غلطی سے معصوم نہ تھے، جس مسئلے میں ان کا اجتہاد صحیح رہا اس میں انہیں دو اجر ملیں گے۔ اجتہاد کا اجر اور صحت وصواب تک پہنچنے کا اجر اور جہاں ان کے اجتہاد میں غلطی ہوئی وہاں ایک اجر یعنی اجتہاد کا اجر ملے گا، غلطی میں وہ معذور ہیں لیکن ہر حالت میں انہیں اجر ملے گا۔

---

(۱) صحیح الترغیب والترھیب، حدیث نمبر: ۱۷۳۷۔

(۲) صحیح الترغیب والترھیب، حدیث نمبر: ۱۷۳۱۔ صحیح الجامع الصغیر، حدیث نمبر: ۳۱۹۳۔

نہ وہ مذمت کئے جائیں گے اور نہ کوئی عیب اور نقص ان میں آئے گا۔ کتاب اللہ وسنت رسول ان پر اور ان کے اقوال پر بہرحال مقدم اور حاکم ہوں گے۔

تو تمہیں چاہئے کہ ان کی مذمت اور تنقیص ہرگز نہ کرو! اور نہ ہی یہ عقیدہ رکھو کہ کتاب وسنت کو چھوڑ کر صرف ان کے اقوال کافی ہیں یا وہ کتاب وسنت پر مقدم ہیں۔ (۱)

(۱) اضواء البیان: ۷/ ۵۵۶، ۵۵۷۔

فَصْلٌ 8

مذہبی تعصب کا
آخری صدیوں میں انتشار

مذہبی تعصب کا آخری صدیوں میں انتشار

شاہ ولی اللہ الدہلوی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''جان لو کہ لوگ چوتھی صدی سے قبل کسی ایک ہی مذہب کی تقلید پر اجماع نہ کئے تھے۔

ابو طالب مکی قوت القلوب میں کہتے ہیں کہ یہ کتابیں اور اقوال کے مجامیع نئی ایجادیں ہیں لوگوں کے اقوال کی روشنی میں کہنا، اور کسی ایک کے مذہب پر فتویٰ دینا اور ہر مسئلے میں اسی ایک کے قول کو نقل و بیان کرنا، اسی کے مذہب سے فقہ دین حاصل کرنا قدیم زمانے یعنی پہلی دوسری صدی میں لوگ اس طریقہ پر نہ تھے۔

میں کہتا ہوں کہ دو صدیوں کے بعد لوگوں میں خاص علماء کے اقوال کی بنا پر کچھ تخریج واستنباط ظاہر ہوا پھر بھی جیسا کہ تتبع اور تلاش سے پتہ چلتا ہے چوتھی صدی کے لوگ بھی کسی ایک کے مذہب کی تقلید اور اسی پر تفقہ اور اسی سے استدلال پر اکٹھا نہ ہوئے تھے۔''(۱)

میری گزارش یہ ہے کہ شاہ رحمہ اللہ کے قول سے اشارہ ملتا ہے کہ چوتھی صدی تک ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید خالص پر اجماع نہ ہوا، لیکن اس کے بعد لوگوں نے تقلید پر اجماع کر لیا۔

میری نظر میں معاملہ اس طرح ہرگز نہیں ہوا بلکہ کسی ایک امام کی تقلید محض پر گزشتہ کسی صدی میں اجماع واتفاق نہیں ہوا۔ کیونکہ جن علماء کے ذریعہ اجماع واتفاق کا تصور ہوسکتا ہے وہ ہمیشہ ہر

---

(۱) حجۃ اللہ البالغۃ: ۱/ ۱۵۲۔

زمانے میں اصطلاحی تقلید کے مخالف رہے حالانکہ ان میں سے اکثر کسی نہ کسی مذہب کی طرف منسوب بھی رہے۔ اس وجہ سے گزشتہ کسی زمانے میں تقلید پر اجماع ہرگز نہیں ہوا۔ اور نہ ہی مستقبل میں اس پر اجماع کا امکان ہے۔ جو چیز مسلمانوں کو مختلف فرقوں اور ٹولیوں میں بانٹ دے کہ ایک دوسرے کو گمراہ کہے، ایک دوسرے سے دشمنی رکھے، ایک دوسرے کے خلاف ریشہ دوانیاں کرے، اعتصام بالکتاب والسنۃ کے مخالف ہو، اس پر اجماع امت کا ہونا غیر معقول، غیر ممکن اور غیر شرعی بات ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک ہے:

''إِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي او قال: أُمَّةَ مُحَمَّدٍ عَلَى ضَلَالَةٍ''۔

کہ اللہ تعالیٰ میری امت یا (یہ کہا) امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گمراہی پر اکٹھا نہیں کرے گا۔ (۱)

رہے صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تو ان مبارک ہستیوں کے بارے میں تقلید کی تہمت کو سن کر ہمیں شرم آتی ہے۔ چہ جائیکہ یہ نامناسب بات ان کی طرف ہم منسوب کریں اور ان میں سے کسی ایک کو مقلد کہیں۔

رب ذوالجلال کی قسم! جو لوگ صحابہ اور تابعین کو تقلید سے متصف کرتے ہیں وہ اس قول سے صحابہ وتابعین کی خدمت میں گالی کا تحفہ پیش کر رہے ہیں۔

وہ تو اللہ کے اتارے ہوئے احکام کے خالص متبع اور اللہ ورسول کے مطیع کامل تھے۔ مقلد ہرگز نہ تھے۔ خیر القرون بھی اگر علم ودانش سے خالی رہا تو دنیا میں کبھی علم کا وجود ہی نہ رہا۔ خیر القرون ہی اگر اتباع اور طاعۃ اللہ والرسول سے محروم رہا تو پھر اتباع اور اطاعت کا وجود کہاں اور کس کے پاس ہوگا اور کب ہوگا؟ تقلید تو علم ہے ہی نہیں۔ اتباع اور تقلید کا فرق واضح ہے۔

(۱) سنن ترمذی، ص: ۴۹۰، حدیث نمبر: ۲۱۶۷، لیکن اس کے آخر میں ایک شاذ لفظ ہے۔

ابن القیم کہتے ہیں: ''کہ کیا تقلید سے فتویٰ دینا جائز ہے؟

جواب: اس مسئلے میں امام احمد کے اصحاب کے تین اقوال ہیں:

ایک قول یہ ہے: کہ تقلید سے فتویٰ دینا جائز نہیں کیونکہ تقلید علم نہیں ہے۔ اور بغیر علم کے فتویٰ دینا حرام ہے۔ علماء کے درمیان اس میں اختلاف نہیں کہ تقلید علم نہیں اور مقلد کو عالم نہیں کہا جاسکتا۔[1]

اسی طرح ائمہ اربعہ اوران کے تلامذہ کو مقلد کہہ کر انہیں گالی دینا جائز نہیں۔ روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہے کہ ان کے تلامذہ اپنے شیوخ سے بہت سے اور بڑے بڑے مسائل میں اختلاف کرتے تھے۔

آگے بڑھ کر ائمہ کی طرف نسبت رکھنے والے عام علماء کو دیکھیں! ان کی تالیفات میں تامل کرنے سے یہ بات واضح طور پر نظر آتی ہے کہ اپنے ائمہ کے خلاف مسائل کی تحقیق ایسی دلیلوں سے کرتے ہیں کہ شاید امام کو بھی وہ دلیلیں نہ پہنچی ہوں۔

طحاوی کی ''مختصر الطحاوی'' اور ''شرح معانی الآثار'' کو دیکھیں، مرغینانی کی ''الہدایۃ''، کاسانی کی ''بدائع الصنائع''، کمال ابن الہمام کی ''فتح القدیر''، سرخسی، قاضی خان، نسفی، ان سب حنفی علماء کی تالیفات کو دیکھیں، آپ کو ایسے بہت سے مسائل نظر آئیں گے جن میں انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے خلاف دوسرے قول کو اختیار کیا ہے۔ اوران میں سے بہت سے لوگوں نے کئی مسائل میں تصریح کی ہے۔ کہ اس مسئلے میں فتویٰ ابو یوسف یا محمد کے قول پر ہے۔

حنابلہ میں سے ابن قدامہ، ابن تیمیہ، ابن القیم، ابن رجب، ابن مفلح وغیرہ کو دیکھیں اگر انہیں حنبلی کہنا صحیح ہے تو انہوں نے بھی امام احمد کے قول کو چھوڑ کر دلیل کی روشنی میں دوسرے قول کو

---

(۱) اعلام الموقعین: ۲/ ۸۶۔

راجح بتایا ہے۔

شافعیہ میں سے ابو اسحاق شیرازی، ابراہیم بن علی صاحب ''مہذب''، نووی صاحب ''شرح المہذب'' و ''روضۃ الطالبین'' وغیرہ کی کتابوں میں امام شافعی کے قول کے خلاف ترجیح واضح طور پر نظر آتی ہے۔

مالکیہ میں سے ابن عبد البر، ابن رشد، الباجی، الشاطبی وغیرہ کے اقوال کو پڑھیں، ان کی روشنی میں ان کو تقلید اصطلاحی میں مقلد کہنا غلط ہے۔

کیونکہ مقلد کے لیے حجت صرف قول امام ہوتا ہے۔ مقلد کے لیے جائز ہی نہیں کہ وہ کسی دلیل کو دیکھے اور امام کے قول سے خارج ہو یہاں تک کہ تلفیق اور جمع اقوال کو بھی اکثر علمائ نے حرام کہا ہے۔

دوسرے متاخرین کو بھی ہم اسی طرح پاتے ہیں کسی خاص مذہب سے انتساب کے باوجود امام کی مخالفت کرتے اور دلیل کا ذکر کرتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تقلید مصطلح پر اجماع کسی زمانے میں نہیں ہوا، اور نہ ہو سکتا ہے۔

یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہر زمانے کے بہت سے متعصب مذہب کی طرف منتسب علماء کو دیکھیں کہ وہ مقلد کے لقب کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتے رہے لیکن جب اقوال ائمہ کی تائید میں ان کی تحقیقات کو دیکھا جائے تو اس اجتہاد اور سعی پر تعجب ہوتا ہے۔ کہ مذہب کی تائید کے لیے ادلہ کبھی کبھی ایسی جگہوں سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جہاں اس کا وجود بھی نہیں ہوتا۔

اس حقیقت سے پتہ چلتا ہے کہ اگر یہ لوگ ائمہ کے اقوال میں سے حق اور راجح بالدلیل مسئلے کو ثابت کرنے کی کوشش کریں تو یقیناً اللہ رب العزت انہیں اس کی توفیق دے گا۔ اور انشراح صدر کے ساتھ امت ان کی تحقیقات کو قبول کرے گی لیکن اللہ کی حکمت اور ابتلا ہے کہ یہ لوگ تقلید یعنی

لاعلمی ہی کو اپنے لیے فخر سمجھ کر اسی پر مطمئن ہیں۔

یقیناً ادلہ شرعیہ کا تقاضا ہے کہ علماء کسی خاص مذہب کی تقلید اور تقید سے آزاد رہیں۔ تقلید کو ان عوام کے لیے چھوڑ دیں جن کی وہ قیادت کرتے ہیں یہ عوام ان علماء سے مسائل دریافت کریں اور علماء راجح بالدلیل کا فتویٰ دیں، کسی بھی امام کے موافق ہو۔

کیونکہ علماء اور ائمہ تمام امت کے ائمہ ہیں ہر ایک نے حق تک پہنچنے کے لیے حتی الامکان کوشش کی ہے، ان میں سے کسی کو متہم کرنا اثم عظیم ہوگا۔ جو علماء کرام تقلید میں تعصب برتتے اور اس کی بنا پر امت میں اختلاف پیدا کرتے ہیں انہیں چاہئے کہ خود ائمہ کرام کی نصیحت پر عمل کریں، اگر وہ امام کی محبت اور اتباع میں مخلص ہیں کیونکہ تمام ائمہ نے اپنی اور دوسروں کی تقلید سے روکا ہے اور دلیل ہی سے مسئلہ لینے کی تاکید کی ہے۔

دلیل شرعی کتاب وسنت، آثار صحابہ اور اجماع امت ہی میں ملے گی یا پھر ان مذکورہ ادلہ پر صحیح قیاس کیا جائے۔ (دیکھیں، ص: ۲۴۔۲۷)

علامہ ابن حزم نے صراحت کی ہے کہ صحابہ تابعین اور ان کے بعد کے لوگ مقلد نہ تھے بلکہ انہوں نے تقلید سے منع کیا ہے۔ تقلید چوتھی صدی میں پیدا ہوئی۔ [1]

(۱) کتاب ابطال التقلید نقلا عن الرد علی من أخلد إلی الارض للسیوطی، ص: ۱۳۳، ۱۳۸۔

فصل 9

تعصب مذہبی کے اسباب
اور اس کے ختم کرنے کے ذرائع

تعصب مذہبی کے اسباب اور اس کے ختم کرنے کے ذرائع

علماء نے مذہبی تعصب کے انتشار کے کئی اسباب بیان کئے ہیں۔ میری نظر میں اہم سبب یہ ہے کہ بعض مذاہب کی طرف انتساب یا اس سے تعصب رکھنے والے علماء کا حکومت میں داخل ہو کر مذاہب کے نشر کی کوشش کرنا ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ مشورہ لینے یا دینے میں آدمی کی توجہات اور خواہشات کا اثر پڑتا ہے۔

ابن خلکان نے یحیٰ بن یحیٰ اللیثی المصمودی کی سوانح میں ذکر کیا ہے۔

کہ یحیٰ اندلس واپس گئے اور انہیں وہاں علماء کی ریاست وقیادت ملی اور انہی کے ذریعہ امام مالک کا مذہب ان شہروں میں پھیلا۔ (۱)

انہوں نے ابن حزم کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ دو مذہب اپنے زمانے میں حکومت اور اقتدار کے زور سے پھیلے۔

(۱)......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب: کیونکہ ابو یوسف رحمہ اللہ امام صاحب کے تلمیذ خاص جب قاضی مقرر ہوئے تو ان کے بعد قضاۃ کی تعیین انہی کے ذریعہ ہوتی تھی۔ مشرق کے آخر حصہ سے لے کر افریقہ کی آخری حدود تک اپنے تلامذہ واصحاب اور امام صاحب کے مذہب سے منسلک ہی لوگوں کو شہروں میں قاضی مقرر کرتے تھے۔

---

(۱) وفیات الاعیان: ٦/ ۱۴۴۔

(۲)......امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب: اندلس، اسپین میں پھیلا کیونکہ یحییٰ بن یحییٰ حاکم وقت کے خاص مقرب تھے، قضاۃ میں ان کی ہی بات قبول کی جاتی تھی۔

اس لیے پورے اندلس میں کوئی قاضی ان کے مشورے اور انتخاب واختیار کے بغیر مقرر نہ کیا جاتا تھا، اور وہ قضاۃ کی تولیت میں صرف اپنے تلامذہ واصحاب مذہب کو مقرر کرنے کا مشورہ دیتے تھے۔ لوگ دنیا کمانے کے لیے دوڑتے ہیں، لہٰذا اپنی مصلحت کے لیے وہ مالکی مذہب کی طرح متوجہ ہوئے۔ البتہ خود یحییٰ بن یحییٰ اللیثی نے کبھی قضا کا منصب قبول نہ کیا۔ اس وجہ سے وہ ارباب حکومت کے ہاں مزید باعزت اور مقبول القول رہے۔[1]

اس قسم کی بات ابن حزم رحمہ اللہ نے ''إحکام الاحکام: ۱/ ۵۷۵، ۵۷۶'' میں بڑے وثوق سے کہی ہے۔

گزارش ہے کہ انتشار مذہب کا جو سبب ابن حزم اور ابن خلکان نے بیان کیا ہے وہ بعید نہیں ہے۔ اس سبب کی تصدیق وتائید ہمارے زمانے کے حالات سے بھی ہورہی ہے جس میں الحمد للہ ہم سانس لے رہے ہیں۔

سعودیہ عربیہ اللہ اس کو قائم دائم رکھے، جب شاہ عبد العزیز بن عبد الرحمن آل فیصل رحمہ اللہ نے اس کی باگ ڈور سنبھالی اور اس کی بنیاد کتاب وسنت پر رکھی تو دنیا جانتی ہے کہ یہاں کا کیا حال تھا، جہالت عام تھی، مسلمانوں میں اختلاف وافتراق تھا، بدعتیں عام تھیں، سنت رسول رسول اللہ ہی کے شہر میں بیگانہ تھی، سنت رسول اور کتب حدیث صرف تبرک کے لیے پڑھی جاتی تھیں۔

عمل مذاہب پر ہوتا تھا اور مذاہب اربعہ کے مقلدین کی یہ حالت تھی کہ ایک امام کا مقلد

---

(۱) وفیات الاعیان: ۶/ ۱۴۴۔

دوسرے امام کے مقلد کے پیچھے صلاۃ پڑھنے کو جائز نہ سمجھتا تھا، اس وجہ سے المسجد الحرام جہاں سے توحید واعتصام بحبل اللہ کی آواز اٹھی تھی وہیں پر امت ائمہ اربعہ کے نام سے چار محراب بنا کر اپنے اپنے اماموں کو مقرر کر کے الگ الگ صلاۃ پڑھنے لگی تھی۔ صدیوں تک یہ بدعت سیئہ جاری رہی۔

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک موحد متبع سنت بادشاہ تھے۔ انہوں نے تمام مخالف چیزوں کو مٹا کر سنت کا احیاء کیا۔ کتاب وسنت کا علم رائج ہوا، گویا وہ اللہ رب العزت کے قول مبارک کے ترجمان ثابت ہوئے:

ٱلَّذِينَ إِن مَّكَّنَّٰهُمْ فِى ٱلْأَرْضِ أَقَامُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُا۟ ٱلزَّكَوٰةَ وَأَمَرُوا۟ بِٱلْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا۟ عَنِ ٱلْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَٰقِبَةُ ٱلْأُمُورِ ﴿٤١﴾ (الحج:۴۱)

اللہ کی مدد حاصل کرنے والے وہ بندے ہیں جن کو ہم جب زمین میں طاقت دیتے ہیں تو وہ صلاۃ کو قائم کرتے ہیں، زکاۃ دیتے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں۔

اس حکومت مبارکہ کے علماء میں سے کوئی بھی مذہب کا متعصب نہیں، اِلا یہ کہ وہ جزیرہ عرب کے باہر سے آیا ہو۔ اور اس کے آباواجداد اپنا مذہب اور تعصب ساتھ لے کر آئے ہوں اور یہاں کے عقیدہ اور عمل سے تاثر نہ لے کر اپنے ہی عقیدہ وعمل کو سینے سے لگائے ہوں یا وہ جو دوسروں کے عقائد واعمال سے متاثر ہو گئے ہوں۔

یہ بات اس وجہ سے کہہ رہا ہوں کہ اللہ رب العزت کی قسم کہ دیار مقدسہ میں رہنے والے ایک شخص نے اپنے لڑکے کے بارے میں مجھے بتایا کہ وہ مجھ سے کہتا ہے کہ جو شخص فلاں مذہب پر نہیں ہے تو اس کا ایمان کامل نہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی دعوت اور کوشش سے پہلے نجد میں بدعات اور عقائد باطلہ کا انتشار تھا لیکن اس مبارک ہستی کی کوششوں سے لوگ کتاب وسنت اور

سلفیت سے آشنا ہوئے، اسے سیکھا، اور جب اللہ نے انہیں طاقت دی اور پورے جزیرہ عرب کی پیشانی ان کے قبضے میں آئی تو اس کے پہاڑوں، غاروں، وادیوں اور بستیوں میں انہوں نے صحیح عقیدہ اور عمل کو پہنچایا۔ اور پوری حکومت سے غلط عقائد اور اعمال کا خاتمہ کیا۔

کسی مذہب کی پابندی نہ کرتے ہوئے یہ لوگ تمام ائمہ کا احترام بھی کرتے ہیں اور ان ائمہ کی فقہ سے استفادہ بھی کرتے ہیں۔

سلفی شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمن آل فیصل رحمہ اللہ ایام حج میں حجاج کرام اور تمام لوگوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں!

”يسمّوننا بالوهابيّين، ويسمون مذهبنا بالوهابي باعتبار أنه مذهب خاص، وهذا خطأ فاحش نشأ عن الدعايات الكاذبة التي كان يبثها أهل الأغراض. نحن لسنا أصحاب مذهب جديد، وعقيدة جديدة، فعقيدتنا هي عقيدة السلف الصالح التي جاء ت في كتاب الله وسنة رسوله ﷺ وما كان عليه السلف الصالح، ونحن نحترم الأئمة الأربعة، ولا فرق عندنا بين مالك والشافعي وأحمد وأبي حنيفة، كلهم محترمون في نظرنا، إن المسلمين في خير ما داموا على كتاب الله، وسنة رسوله ﷺ، وما هم ببالغين سعادة الدارين إلا بكلمة التوحيد“۔

کہتے ہیں کہ لوگ ہمارا نام وہابی رکھتے ہیں اور ہمارے مذہب کا نام وہابی رکھتے ہیں اس اعتبار سے کہ ان کی نظر میں یہ ایک خاص مذہب ہے، یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ جس کا سبب مصلحت پرستوں کا جھوٹا پروپیگنڈا ہے۔ ہم نئے مذہب یا نئے عقیدہ کے لوگ

نہیں۔ اور نہ ہی محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کوئی نیا عقیدہ یا مذہب لے کر آئے تھے۔ ہمارا عقیدہ کتاب وسنت کا عقیدہ ہے جو سلف صالحین کا عقیدہ تھا۔ ہم ائمہ اربعہ کا احترام کرتے ہیں ہماری نظر میں مالک، شافعی، احمد اور ابو حنیفہ میں کوئی فرق نہیں۔ مسلمان جب تک کتاب وسنت کے عامل رہیں گے خیر اور بھلائی میں رہیں گے، دنیا وآخرت کی سعادت وہ حاصل ہی نہیں کر سکتے جب تک کلمۂ توحید کے عامل نہ ہو جائیں۔ (۱)

اسی طرح آپ نے دوسرے موقع پر فرمایا:

”أنا مبشر أدعو لدين الإسلام، ولنشره بين الأقوام. أنا داعية لعقيدة السلف الصالح، وعقيدة السلف الصالح هي التمسك بكتاب الله وسنة رسوله ﷺ وما جاء عن الخلفاء الراشدين“۔

میں دین کا داعی ہوں، دین اسلام کی طرف اور تمام اقوام عالم میں اسے پھیلانے کی دعوت دیتا ہوں، میں سلف صالحین کے عقیدے کا داعی ہوں اور وہ عقیدہ کتاب وسنت اور خلفاء راشدین کی سنت پر تمسک کرنا ہے۔

مکہ مکرمہ کے ایک اور خطاب میں فرمایا:

”أنا بذمتكم وأنتم بذمتى، إن الدين النصيحة، أنا منكم وأنتم مني، هذه عقيدتنا في الكتب بين أيديكم؛ فإن كان فيها ما يخالف كتاب الله، فردونا عنه واسألونا عما يشكل عليكم فيها، والحكم بيننا كتاب الله وما جاء في كتب الحديث والسنة“۔

(۱) المصحف والسیف، ص: ۵۲، ۵۳۔

ہم میں سے ہر ایک دوسرے کے ذمہ میں ہے۔ دین خیر خواہی کا نام ہے۔ ہم سب ایک ہی ہیں، ہمارا عقیدہ کتابوں میں دیکھ سکتے ہیں۔ اس میں جو بھی جزء اللہ سبحانہ کی کتاب کے خلاف ہو ہمیں اس سے روکیں! اور جہاں شبہ ہو ہم سے پوچھیں! ہمارے اور آپ کے درمیان فیصل اللہ کی کتاب اور حدیث وسنت کی کتابوں میں جو کچھ آیا ہے وہ ہے۔''(۱)

حکومت سعودیہ کے علماء کے عمل بالکتاب والسنۃ اور عدم تعصب کی واضح دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اپنی جامعات میں فقہ مقارن کے مادے کی تدریس کو مقرر کر رکھا ہے۔ ابن رشد مالکی کی ''بدایۃ المجتہد''، ابن کثیر شافعی کی ''تفسیر القرآن العظیم''، امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ کی کتاب ''العقیدۃ الطحاویۃ'' اور ابن ابی العز حنفی کی ''شرح العقیدۃ الطحاویۃ'' کو داخل درس وتدریس کر رکھا ہے۔

ائمہ الدعوۃ و دیگر علماء مملکت کی کتابیں پوری دنیا میں پھیلی ہیں۔ نئے آلات کے ذریعہ ان کی آواز ان کے فتاویٰ اور دروس سنے اور پڑھے جاتے ہیں۔ ان سب میں صراحۃً کسی خاص مذہب کے علاوہ کتاب وسنت اور خالص سلفی عقیدہ کی طرف دعوت ہے۔

اللہ کا فضل واحسان ہے کہ اس حکومت کے حکام اللہ کے دین کے عامل ہیں۔

کس قدر خوشی ہوتی ہے جب ہم یہاں کے ذمہ داران امراء و وزراء اور حکام سے علی الاعلان یہ بات سنتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ ''کتاب وسنت'' ہے اور اسی پر عمل ہے۔ اللہ ان کی مدد فرمائے۔ آمین۔

یہی وجہ ہے کہ بلاد مقدسہ میں مختلف جماعتوں اور پارٹیوں کا وجود نہیں، اور نہ ہی آپس میں ان کی سیاسی اور دینی رسہ کشی ہے۔

عقیدہ اور مذہب کا تعصب وہاں ہوتا ہے، یا مختلف پارٹیاں وہاں ہوتی ہیں اور وہ ایک

(۱) شبہ الجزیرۃ: ۳/ ۷۹۰، ۷۹۱۔

دوسرے کو دانت وہاں دکھاتی ہیں، جہاں اللہ کی شریعت کی حکومت نہ ہو، یا پھر کفر محض کی حکومتوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں۔ وہاں باطل عقیدہ پر اور کتاب وسنت سے منحرف طریقۂ فکر پر تحزب اور تعصب کو پوری آزادی دی جاتی ہے۔

کافر حکومتیں اپنی مصلحتوں کی خاطر غلط عقائد اور مکاتب فکر اور دنیا سے بھاگے ہوئے مفسدین کو پناہ دے کر ان کی تائید کرتی اور انہیں کتاب وسنت سے روکنے میں مدد کرتی ہیں یا پھر اسلامی حکومتوں میں ان کے ذریعے فساد مچاتی ہیں۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر جگہ اور ہر زمانے میں بہت سے مخالف اسلام دین خالص کو بہت سے مسلمانوں سے زیادہ جانتے رہے ہیں۔

بعینہ اسی طرح جس طرح عہد نبوی میں کفار لا إله إلا الله کا معنی پورے طور پر جانتے سمجھتے تھے۔ تبھی تو چیخ پڑے تھے۔

أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝ (سورة ص: ۵)

کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام الٰہ کو چھوڑ کر ایک الٰہ کو قبول کر لیا ہے، بڑی عجیب بات ہے؟

حکومتوں کے ذریعہ کسی بھی مذہب اور فکر کا پھیلنا اور پھیلانا اس سے بھی سمجھ میں آتا ہے کہ ابھی ماضی قریب میں ایک شخصیت تھی جن کا نام نواب صدیق حسن خان تھا رحمہ اللہ جب آپ کے ہاتھ میں بھوپال کی ولایت کی باگ ڈور آئی تو آپ نے ولایت کو خالص سلفی حکومت بنا دیا۔

مولانا بشیر سہسوانی جیسے بڑے بڑے علماء اہل حدیث کو جمع کر کے مجلس علمی بنائی خود انہوں نے احیاء سنت کے لیے مختلف تالیفات لکھیں، علماء کی تالیفات سلفیہ منظر عام پر آئیں۔ حدیث اور عقیدہ سلفیہ سے متعلق کتابوں کو چھاپ کر لوگوں میں مفت تقسیم کیا، کتب تفسیر وشروح حدیث کو چھاپا اور اس کی اشاعت عام کی۔

''فتح الباری''، ''تفسیر ابن کثیر'' اور ''نیل الاوطار'' جیسی عظیم الشان کتابوں کو نشر کیا۔ اور پوری دنیا میں اسے اپنی جیب خاص سے تقسیم کیا۔ ہاں ہندوستان جیسے ملک میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ متعصب علماء فتح الباری کا نسخہ ان کی طرف سے ہدیۃً بھی قبول نہ کرتے تھے۔ کیونکہ یہ کتاب ان کے مذہب کے خلاف ہے۔

اپنی تالیفات اور مطبوعات کو پہنچانے کے لیے مختلف ممالک میں انہوں نے معتمدین رکھے ہوئے تھے۔ قلمی کتابوں کے خریدنے اور بھوپال بھیجنے کے لیے بھی مصر، شام اور مراکش وغیرہ میں ان کے معتمد لوگ تھے۔

یقیناً ان کے عہد ولایت میں پوری دنیا میں سلفیت اور مسلک اہل حدیث کا بہت زیادہ تعارف ہوا اور بہت سے لوگ ہدایت یاب ہوئے اور مخالفین کی ریشہ دوانیوں کے شکار بھی ہوئے۔ (دیکھیں: ڈاکٹر اختر جمال لقمان سلفی سلمہ اللہ کی کتاب ''السید صدیق حسن خان القنوجی رحمہ اللہ'')

یہ حادثہ بھی اس بات کے سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ ''**الناس علی دین ملوکھم وکبرائھم**'' کا مقولہ صحیح ہے کہ مسلمانوں کو اللہ نے اپنے دین خالص ہی کی اقامت واحیاء کا حکم دیا ہے کسی کے مذہب کے احیاء یا اس کی دعوت وتبلیغ کا حکم نہیں دیا۔ ہماری دعا ہے کہ کسی زمانے میں کوئی بھی دین اسلام کو عہد نبوی کی شکل وصورت میں واپس لانے کی کوشش کرے اللہ اس کو قائم ودائم رکھے اور اپنی مدد سے نوازے۔ آمین۔

مذاہب اربعہ کے پھیلنے کے اسباب میں سے ایک اہم سبب یہ ہے کہ لوگوں نے اوقاف، رہائش گاہیں، رباطوں اور مدارس ومکتبات تک کو خاص مذہب کے ساتھ خاص کیا۔ [1]

ان اوقاف اور مدارس نے بھی لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے میں بڑا پارٹ ادا کیا ہے۔

---

(۱) دیکھیں: الدارس فی تاریخ المدارس۔ العقد الثمین۔

اب حقیقت واقعہ یہ ہے جس کا انکار ممکن نہیں کہ مختلف عقائدی اور فقہی مذاہب دنیا بھر میں پھیل گئے اصل اور خالص اسلام اجنبی ہوتا جا رہا ہے جو عمل بالکتاب والسنۃ کی دعوت دیتا ہے۔ اپنے کو کسی مذہب کی طرف منسوب نہ کر کے محمدی، سلفی اثری وغیرہ کی طرف منسوب کرتا ہے تو اسے غلو کہا جاتا ہے۔ بلکہ ہر آنے والا دن اس سے پہلے والے دن سے برا ہی ہوتا جا رہا ہے۔ جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ وغیرہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ:

”لَا يَأْتِي يَوْمٌ إِلَّا وَبَعْدَهُ شَرٌّ مِنْهُ“۔ (۱)

عامل بالکتاب والسنۃ کو لا مذہب، بے دین، غیر مقلد جمہور امت کا مخالف کہا جانے لگا ہر ایک کی طرف سے حدت وشدت نے ایسے واقعات کی شکل اختیار کر لی کہ عقل حیران ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ یہ لوگ اعداء دین کے ایجنٹ ہیں وہی در پردہ انہیں حرکت دیتے ہیں۔

جب بعض حکومتوں نے بعض مذاہب کو اختیار کیا تو یقیناً اسی مذہب کے مطابق چھوٹے بڑے طلباء کو تعلیم دی جانے لگی۔ غیر معقول بات ہے کہ کوئی اگر شافعی یا حنفی، حنبلی یا مالکی مذہب کا ہے تو وہ دوسرے مذہب کی کتاب تعلیمی منہج اور درس نظامی میں مقرر کرے اور پڑھائے۔

ہاں اگر دوسرے مذاہب کا ذکر کیا جاتا تو تردید اور بشدت تردید کرنے کے لیے، یہاں تک کہ بعض حالات میں خود ائمہ ہی کے اوپر تشدد کی مار پڑتی۔

ابن العربی کو دیکھیں مالکی مذہب کی طرف ان کا انتساب ہے۔ لیکن ”احکام القرآن“ میں امام شافعی کا ذکر بڑی حقارت سے فرماتے ہیں۔ (۲)

---

(۱) مسند احمد: ۳/۱۷۹۔

(۲) دیکھیں: احکام القرآن: ۱/۵۳، تفسیر ”واتبعوا ماتتلوا الشیاطین“ ۱/۱۵۵۔ مسئلہ میعاد لزوم الصوم: ۱/۳۶۰۔

بعض فقہ واصول کی کتابوں میں امام شافعی اور داود ظاہری کو جہالت کی طرف منسوب کرنے میں بھی تامل نہیں کیا گیا۔ [1]

تردید میں مناظرہ کا انداز اختیار کر کے مخالف کے لیے خصوم کا لفظ استعمال کیا گیا۔

حکومت کے ذمہ داران کا تدریس وافتاء، قضاء اور وزارت میں اپنے مذہب کے علماء کی تعیین کرنا یہ ایک فطری بات ہے۔

اس ماحول میں جو طالب علم آنکھ کھولتا ہے دین کو اسی شکل میں سیکھتا ہے جس کی تلقین کی جاتی ہے، خصوصاً عقیدہ اور فقہ کے دروس میں مذہب مخالف کے مسائل کی سختی یا نرمی سے تردید کی جاتی ہے تو اس کے ذہن میں یہی بات جاگزیں ہوجاتی ہے کہ ہمارے مذہب کے علاوہ تمام مذاہب باطل یا غلط ہیں۔

طالب علم دیکھتا ہے کہ اکثر لوگ اس شہر میں اسی خاص مذہب پر ہیں۔ ایسی حالت میں ہی پلتا، بڑھتا، جوان ہوتا ہے فارغ التحصیل ہوکر تدریس وافتاء اور قضاء کے منصب پر پہنچ جاتا ہے۔ مذہب ہی کی روشنی میں اس کی تمام خدمات ہوتی ہیں۔ مسجد حرام میں پانچ یا چار مصلوں کو دیکھتا ہے بعض حالات میں وہ خود امام حرم ہوتا ہے۔ مذاہب کی مخصوص مساجد کی امامت کرتا اور ہمیشہ یہی وردِ زبان رہتا ہے کہ ہم شافعیہ کے مذہب میں یہ ہے، حنفی عالم کہتا ہے کہ حنفیہ کے مذہب میں ایسا ہے، مالکیہ، حنبلیہ بھی اسی طرح کہتے اور کرتے ہیں۔ رات دن کان میں یہی آواز پڑتی، یہی کچھ ہوتا رہتا ہے۔

دم گھٹا دینے والے ایسے ہولناک ماحول میں دین خالص کو ڈھونڈنے اور تلاش کرنے والا حیران ہوجاتا ہے کہ کیا یہی وہ دین ہے جسے اللہ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا تھا جس

---

(۱) دیکھیں: نور الانوار ص: ۲۰۸۔ مسئلہ ایلاء الکافر: ۲/ ۳۳۴، تحت قولہ تعالیٰ {فابعثوا حکما من أهله} وغیرہ۔

کے کئی بازو ہیں۔ اور ہر ایک بازو دوسرے سے برسرِ پیکار ہے۔ ہم خود یہ سوال کر سکتے ہیں کہ جب فقہاء مذاہب ایک دوسرے کو غلطی پر بتاتے ہیں تو اللہ کے یہاں سے نازل شدہ وہ احکام جس کے قریب باطل پھٹک بھی نہیں سکتا کس کے پاس ملیں گے؟

لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِۦ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿٤٢﴾ (حم السجدۃ: ۴۲)

یعنی جس کے پاس باطل پھٹک بھی نہیں سکتا نہ اس کے آگے سے نہ پیچھے سے یہ حکمتوں اور خوبیوں والے رب کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

ایک حیران و پریشان طالب علم و دین کو کیا جواب دیا جائے، مذاہب کے متعصب اور متشدد علماء کرام اس طالب علم کو کس طرح تسلی بخش جواب دیں گے؟

یہ بھی امر واقعی ہے کہ ایک نو مسلم جب دیکھتا ہے کہ ہر مذہب کے لوگ اسے اپنی طرف کھینچنے لگتے ہیں تو حیران ہو جاتا ہے کہ کون سا مذہب اختیار کرے؟

آگے چل کر قادیانی، رافضی، بابی، بہائی وغیرہ فرقے کے لوگ بھی اسے ملتے ہیں ان میں سے ہر ایک اسلام کے نام سے اسے اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ بیچارہ ان حالات میں کیا کرے؟ نتیجتاً حیرانی ہی حیرانی ہوتی ہے۔

شیخ محمد سلطان معصومی نے اپنی کتاب ''ہدیہ السلطان'' میں ذکر کیا ہے کہ جاپان کے شہر ٹوکیو کے مسلمانوں کے یہاں سے میرے پاس سوالنامہ آیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دین اسلام کی حقیقت کیا ہے؟ مذہب کا معنی کیا ہے؟ کیا جو شخص دین اسلام کو قبول کرنے کا شرف حاصل کرتا ہے اسے مذاہب اربعہ مالکی، حنفی، شافعی یا حنبلی وغیرہ میں سے کسی نہ کسی مذہب پر رہنا لازم ہے یا نہیں؟

کیونکہ ہمارے ہاں اس پر بڑا اختلاف ہوا، اس وقت جب کہ جاپان کے کچھ روشن فکر لوگوں نے دین اسلام میں داخل ہونے اور ایمان کے شرف سے مشرف ہونے کا ارادہ ظاہر کیا۔

انہوں نے ٹوکیو میں واقع جمعیۃ المسلمین کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کیا، تو ہندوستان کی ایک جماعت نے ان سے کہا کہ انہیں امام ابوحنیفہ کا مذہب اختیار کرنا چاہئے۔

کیونکہ آپ امت کے چراغ ہیں [1] انڈونیشیا ''جاوا'' کے لوگوں نے کہا: انہیں شافعی رہنا ضروری ہے۔ جاپانیوں نے ان کی باتوں کو سن کر بڑا تعجب کیا اور اسلام کو قبول کرنے میں انہیں حیرانی ہوئی نتیجہ یہ ہوا کہ مذاہب کا یہ اختلاف ان کے اسلام لانے کے راستے میں حائل ہوگیا۔

استاذ محترم! ہمیں معلوم ہے کہ آپ کے علم کے ذریعہ ان شاء اللہ اس مرض سے شفا مل جائے گی۔آپ سے ہمیں امید ہے کہ آپ اپنے بحر کرم کے فیض سے اس حقیقت کی وضاحت فرمائیں گے! تاکہ ہمارے دل جہالت کے مرض سے شفا پاکر مطمئن ہوجائیں۔ [2]

تو شیخ نے اس کا جواب کتاب وسنت کے تمسک کی تاکید میں لکھا۔

شیخ محمد الغزالی نے بھی اپنی کتاب ''ظلام من الغرب'' میں ذکر کیا ہے کہ امریکہ کی پرنسٹن یونیورسٹی کی کانفرنس میں کسی مقرر نے یہ سوال اٹھایا جسے اکثر مستشرقین اور اسلام سے دلچسپی رکھنے والے اٹھایا کرتے ہیں کہ مسلمان دنیا کے لوگوں کے سامنے کس اسلام کو پیش کریں گے؟ اس کا تعین کریں۔ کیا سنی اسلام کو یا شیعہ امامیہ، زیدیہ، کے اسلام کو؟ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ایک گروہ کسی مسئلے میں خاص انداز سے سوچتا ہے اور دوسرا فریق دوسرے انداز سے سوچتا ہے؟

---

(۱) یہ جملہ ''ابوحنیفة سراج امتي '' ایک موضوع اور جھوٹی حدیث کا ترجمہ ہے۔

(۲) ہدیہ السلطان إلی مسلمی بلاد الیابان، المقدمۃ۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کے دعاۃ لوگوں کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں، کیونکہ وہ بذات خود حیران و پریشان ہیں۔[1]

اس میں شک نہیں کہ یہ حالات تربیت وتعلیم کی بنا پر بنے ہیں، انسانی کوششوں کو ایک سبب کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے مؤثر بنایا ہے۔ اللہ کی مشیت سے کوئی بھی سبب اثر انداز ہوتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلاَّ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ، كَمَا تُنْتِجُونَ الْبَهِيمَةَ، هَلْ تَجِدُونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ حَتَّى تَكُونُوا أَنْتُمْ تَجْدَعُونَهَا''۔[2]

ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، لیکن اس کے ماں باپ اور مربی اسے یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں جس طرح جانور کا بچہ پیدا ہوتا ہے، اس میں کوئی کان ناک کٹا نہیں ہوتا۔ تم خود اس کے ناک کان کاٹتے ہو۔

اس کے بعد اپنے بھائیوں علماء سے سوال ہے کہ آپ ہی عوام کو اپنی تقلید کی رسی میں باندھ کر ان کی قیادت کرتے ہیں۔ آپ سے بھی قیامت میں اللہ رب العزت کے سامنے پوچھا جائے گا۔ کیا اللہ رب العزت کا یہی حکم ہے کہ مسلمان آپس میں متفرق ہوں؟ اپنی توانائی اور کوشش کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کریں۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس توانائی کو تحقیق مسائل اور مصالح امت میں خرچ کیا جائے۔ اللہ نے ایک میزان اتارا ہے! اس میزان کی روشنی میں امت کے مسائل کو حل کیا جائے۔

---

(۱) نقلا عن مقدمة صفة صلاة النبي صلی اللہ علیہ وسلم ۱/ ۶۷۔

(۲) صحیح البخاری: ۱۱/ ۲۰۳، حدیث نمبر: ۶۵۹۹۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝۲۵

(الحدید:۲۵)

یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو اتارا جس میں سخت ہیبت اور قوت ہے اور لوگوں کے لیے اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور اس لیے بھی کہ اللہ جان لے کہ اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد بے دیکھے کون کرتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا اور زبردست ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تعلیم وتربیت اکثر حالات میں لوگوں کے عقیدے اور سلوک بدلتی ہے۔ اس لیے جب تک ہماری تعلیم وتربیت کی یہی خطرناک حالت رہی جس کا ذکر کیا گیا ہے تو اس وقت تک امت کی اصلاح اور ان کا اتحاد واتفاق ممکن نہیں۔ اس لیے صف علماء کو چاہیے کہ درس نظامی کے نصاب کو کتاب وسنت کی روشنی میں تیار کریں، نہ کہ مختلف مذاہب کی بنا پر، کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ مذاہب پر تعصب نے ہمیشہ امت کی وحدت کو پارہ پارہ کیا ہے۔

مذاہب سے منتسب بہت سے علماء کی کتابوں میں ہم صلح پسندی کے جذبات پاتے ہیں کہ وہ اعتدال کی دعوت دیتے ہیں، لیکن شاید کھل کر وہ باتیں عوام میں کہنے سے ڈرتے ہیں۔ درس وتدریس میں بھی طلباء کو اعتدال پسندی کی تلقین ہونی چاہیے۔

ان خیالات کا تذکرہ مجالس وعظ وارشاد، خطبات جمعہ اور عمومی خطابات میں بھی ہونا چاہیے۔

تا کہ عوامی ذہن صاف ہو! اور اگر کوئی مذہب سے نکل کر کتاب وسنت کی روشنی میں عمل کو قبول کرلے، تو اسے مستحق تعزیر وتعذیب نہ سمجھا جائے، نہ اس سے نفرت کی جائے! وہ کافر نہ ہوا، اسے ایک مسلمان کا حق دیا جائے، تا کہ حالات میں سدھار ہو اور حدت وشدت کا خاتمہ ہو سکے۔

فَصْل 10

تقلید اور تعصب
کی خرابیاں

تقلید اور تعصب کی خرابیاں

عقل سے کام نہ لینا:

تقلید کی صورت میں انسان اپنی عقل سے کام نہیں لیتا! نہ ہی اپنے عقیدہ وعمل کے نتائج کے بارے میں سوچتا ہے! اس لیے تقلید سے ایسے اعمال کر گزرتا ہے کہ اگر اپنی عقل سے کرتا تو شاید ان اعمال کا ارتکاب نہ کرتا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول اس حقیقت کا ترجمان ہے:

''ألا لَا يُقَلِّدَنَّ أحدكم دِينَهُ رَجُلًا فَإِنْ آمَنَ آمَنَ وَإِنْ كَفَرَ كَفَرَ فإنه لَا أُسْوَةَ فِي الشَّرِّ''۔

خبردار! کوئی اپنے دین میں کسی کی تقلید نہ کرے! کہ وہ ایمان لائے تو مقلد بھی لائے۔ اور اگر وہ کفر کرے تو مقلد بھی کفر کر جائے۔ یاد رہے کہ برائی میں کسی کو نمونہ نہیں بنانا چاہئے۔[1]

عبداللہ بن المعتز کا کہنا ہے:

''لَا فَرْقَ بَيْنَ بَهِيمَةٍ تُقَادُ وَإِنْسَانٍ يُقَلَّدُ''۔[2]

---

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ: ۲ / ۹۸۸، ۹۸۹۔

(۲) جامع بیان العلم وفضلہ: ۲ / ۹۸۸، ۹۸۹۔

چوپایہ جس کی گردن میں رسی ڈال کر کھینچا جاتا ہے اور مقلد انسان میں کوئی فرق نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے چچا ابوطالب کی موت عبدالمطلب کی ملت پر ان لوگوں کی تقلید و تضلیل کی بنا پر ہوئی جو موت کے وقت وہاں حاضر تھے، حالانکہ وہ عرب کے مانے ہوئے عقلمند شخص تھے۔ پیارے رسول ﷺ سے انتہائی محبت رکھتے اور رسول ﷺ بھی ان سے حد درجہ محبت فرماتے تھے۔ ابوطالب آپ کی دعوت کی تصدیق بھی کرتے تھے لیکن شہادتین کے بولنے کی توفیق تقلید کی بنا پر نہ ہوسکی۔

مسیب بن حزن کہتے ہیں: کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت آیا نبی کریم ﷺ ان کے پاس آئے، وہاں ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی تھے، آپ نے کہا: چچا ''لا إله إلا الله'' کہہ دیں! اس کلمہ کی بنا پر میں اللہ کی جناب میں آپ کے ایمان کی گواہی دوں گا۔ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا: ابوطالب! کیا عبدالمطلب کی ملت کو چھوڑ دو گے؟ نبی کریم ﷺ بار بار انہیں ''لا إله إلا الله'' کی تلقین کرتے رہے، پھر بھی ابوطالب کی آخری بات یہی رہی کہ وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہیں۔ ''لا إله إلا الله'' کہنے سے انکار کر دیا۔ (۱)

گزشتہ انبیاء کرام کی اقوام کی گمراہی کا سبب تقلید آباء ہی رہا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ (البقرۃ: ۱۷۰)

انہوں نے کہا کہ ہم اپنے آباء واجداد کے طریقے کی اتباع کریں گے، کیا یہ لوگ ان کے اپنے آباء جو عقل اور ہدایت نہیں رکھتے تھے ان ہی کی اتباع کریں گے؟

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا

(۱) صحیح مسلم: ۱/ ۵۴، کتاب الایمان۔

وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

(سورۃ المائدۃ: ۱۰۴)

جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت اور رسول ﷺ کی طرف آؤ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہمیں وہی کافی ہے جس پر ہم اپنے آباء واجداد کو پاتے ہیں۔ کیا وہ انہی کی اتباع کریں گے اگر چہ ان کے آباء واجداد نہ کچھ جانتے تھے اور نہ ہی ہدایت پر تھے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ (یونس: ۷۸)

وہ لوگ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم کو اس طریقہ سے ہٹادو جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے اور تم دونوں کو دنیا میں بڑائی مل جائے ہم تم دونوں کو کبھی نہ مانیں گے۔

ان کے علاوہ اور دوسری آیات بھی اسی معنی کی ہیں۔ (دیکھیں: سورۃ لقمان: ۲۲، سورۃ الزخرف: ۲۱، آل عمران: ۱۰۳)

امت میں افتراق واندھی تقلید پر تعصب سے بڑی خرابیاں آئیں۔ قدریہ، شیعہ، خوارج اسی تقلید ہی کی بنا پر ابھرے! اسی طرح عقیدے سے متعلق اعتزال، اشعریت، ماتریدیت وغیرہ دوسرے مذاہب اسی تقلید ہی کی پیداوار ہیں۔ اللہ کے احکام کی مخالفت اسی تقلید ہی کی بنا پر ہوئی۔ مسلمانوں میں فرقوں اور مختلف جماعتوں کا وجود بعض ائمہ کی تقلید ہی کی بنا پر ہوا۔ اور ہر ایک فرقہ دوسرے کو ستانے اور زیر کرنے کی کوشش اسی کی بنا پر کر رہا ہے۔

اس لیے تعصب مذہبی کی بنا پر امت میں دوسری خرابیوں کی طرح جو خرابی وجود میں آئی وہ فرقوں میں بٹنے کی ہے۔ کہ اس کی بنا پر دوستی یا دشمنی کی جانے لگی۔ حالانکہ اللہ رب العزت نے

اتحاد و محبت اور عدم تفرق کا حکم دیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران: ۱۰۳)

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور فرقوں میں نہ بٹو۔

اس مذہبی تعصب کے سبب افتراق وعداوت ہی کی وجہ سے بعض اصحاب مذہب نے مخالف مذہب کی لڑکی یا اس کے عکس سے نکاح کو ناجائز کہا ہے، جبکہ بعض نے مخالف مذہب کی لڑکی کو یہودی یا نصرانی عورت کی طرح سمجھ کر نکاح کو جائز کہا ہے!!

اسی طرح مخالف مذہب کے امام کے پیچھے صلاۃ کو بھی ناجائز کہا ہے!!

کمال ابن الہمام رحمہ اللہ لکھتے ہیں: کہ ابوالیسر نے کہا ہے: کہ حنفی آدمی کی صلاۃ شافعی کے پیچھے جائز نہیں! اس کی وجہ یہ ہے کہ مکحول نسفی نے اپنی کتاب ''الشعاع'' میں لکھا ہے کہ رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے ہاتھ اٹھانے سے صلاۃ فاسد ہوجاتی ہے کیونکہ یہ عمل کثیر ہے۔ قاضی خاں نے جواز کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ شافعی اگر متعصب نہیں اور ایمان میں شک نہیں رکھتا۔ (۱) اور اختلاف کی جگہوں میں احتیاط سے کام لے۔ (۲)

ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اسی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعدي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا''۔

کہ جو میرے بعد زندہ رہے گا امت میں بہت کچھ اختلاف دیکھے گا۔

اس میں دین میں اختلاف کرنے والوں کی مذمت، اور ان کے طریقے سے تحذیر ہے۔

---

(۱) فتح القدیر: ۱/ ۳۱۔

(۲) شاید یہ کہنا چاہتے ہوں کہ ''وہ ان شاء اللہ مومن ہے'' کہنے کو جائز نہ سمجھتا ہو کیونکہ اشعری عقیدے میں ''ان شاء اللہ میں مومن ہوں'' کہنا ایمان میں شک کرنا ہوا۔ (دیکھیں! شرح العقیدۃ الطحاویہ، ص: ۳۹۵ تا ۳۹۸) لیکن سلف صالحین ''ان شاء اللہ میں مومن ہوں'' اس معنی میں کہنا جائز سمجھتے ہیں کہ آئندہ بھی اللہ مقلب القلوب ہمیں ایمان پر ثابت رکھے۔

مسلمانوں میں شدت اختلاف تقلید اور مقلدین کے سبب سے ہوا، جنہوں نے دین کو مختلف ٹولیوں میں بانٹ دیا۔ ہر فرقہ اپنے امام کی تائید کرتا، اور اسی کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے اور مخالف کی مذمت کرتا ہے۔ مخالف کے قول پر عمل جائز نہیں سمجھتا، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہ وہ دوسرے دین کا متبع ہے۔ یہ لوگ مخالف کی تردید میں جان توڑ کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں ان کی کتاب اور ہماری کتاب، ان کے ائمہ اور ہمارے ائمہ، ان کا مذہب اور ہمارا مذہب، یہ سب کچھ تفرق وتفریق مسلمانوں میں ہو رہا ہے۔

حالانکہ سب کے نبی ایک، سب کا قرآن ایک، سب کا دین ایک، سب کا رب ایک ہی ہے۔ ان حالات میں ایک ہی کلمہ ہے جس پر سب کا اتفاق ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کی مطلق اطاعت نہ کریں، کسی اور کے قول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نصوص کا درجہ نہ دیں! اللہ کے علاوہ کسی کو رب نہ بنائیں، سب کا فرض ہے کہ اسی کلمہ کے تابع ہو جائیں۔

اگر تمام مذاہب کے لوگ اسی کلمہ پر متفق ہو جائیں، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کی طرف دعوت دی ہے اسی کے تابع ہو جائیں، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آثار صحابہ سے اپنے فیصلے لیں، تو اختلاف اگر مکمل طور پر ختم نہیں ہوسکتا مگر کم ضرور ہو جائے گا۔

شیخ محمد حیات سندھی حنفی نے کہا ہے:

''ہمارے اہل زمانہ نے جو خاص مذہب کے التزام کی بدعت ایجاد کی ہے کہ ہر ایک کسی ایک مذہب سے منتقل ہو کر دوسرے مذہب میں جانے کو ناجائز کہتا ہے تو یہ جہالت، بدعت اور ظلم ہے۔ ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو صحیح غیر منسوخ احادیث کو چھوڑ کر جن مذاہب کی کوئی سند نہیں انہی سے تمسک کرتے ہیں۔'' إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔ (۱)

---

(۱) نقلاً عن إیقاظ ھمم أولی الابصار، ص: ۷۰۔

جیسا کہ پہلے میں نے ذکر کیا ہے کہ انہی اختلافات ہی کی بنا پر بعض صدیوں میں کتابوں اور فقہی مباحث میں ہمیں مناظرہ کا انداز نظر آتا ہے۔

اس کی واضح مثال آپ زیلعی رحمہ اللہ کی ''نصب الرایۃ فی تخریج اُحادیث الھدایۃ'' میں دیکھ سکتے ہیں کہ اس میں مخالف دلیلوں کو حدیث الخصوم کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔

اسی طرح امام الحرمین شافعی نے کئی اشیاء میں امام ابو حنیفہ پر طعن وتشنیع کی ہے، اس کے بعد کہا: کہ جس صلاۃ کو امام ابو حنیفہ جائز کہتے ہیں اگر کسی عام آدمی کے سامنے پیش کی جائے تو وہ قبول نہ کرے اور نماز دین کا کھمبا ہے۔

صلاۃ کے متعلق ان کے عقیدہ کے فاسد ہونے سے ان کے مذہب کے بطلان کی وضاحت ہوتی ہے۔ (۱)

مذاہب کی اس رسہ کشی کی مثالیں کتابوں میں بہت ملتی ہیں، انہی تعصب اور اختلاف کے نتیجے میں ہی لوگوں نے مسجد الحرام کو چار مصلوں میں بانٹ رکھا تھا، بلکہ بعض سالوں میں زیدیہ کا پانچواں محراب بھی تھا۔ جیسا کہ ابن جبیر اندلسی نے ۵۷۸ھ کے سفر نامہ حج میں ذکر کیا ہے۔ سبحان اللہ۔ اختلاف کا کس قدر بدنما منظر تھا جسے دیکھ کر دشمن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۹۲ھ) نے بھی مقامات اور مصلوں کا ذکر کیا ہے، کہتے ہیں: '' اختلاف اور تفرق کی تقویت کا ایک سبب مسجد حرام اور جامع اموی دمشق میں ہر مذہب کے الگ الگ امام کی تقرری بھی ہے۔ ہر امام خاص طرح سے اپنی صلاۃ پڑھتا ہے۔

صلاۃ الخوف میں اگرچہ صلاۃ کے منافی اعمال ہوتے ہیں پھر بھی جماعت کی وحدت کی خاطر اسے مشروع کیا گیا ہے۔

---

(۱) مغیث الخلق ص:۵۹۔

صلاۃ الخوف کی مشروعیت ہی دلیل ہے کہ مسجد حرام اور عام مساجد میں بیک وقت صلاۃ کے لیے مختلف امام کی تعیین غیر شرعی ہے۔''(۱)

صنعانی کہتے ہیں: '' کہ اللہ کا یہ حرم جس کے بارے میں دنیا کے افضل مقام ہونے پر علماء امت کا اجماع ہے اس میں بھی چرکسی، جاہل، گمراہ اور برے بادشاہوں میں سے برے بادشاہ نے ان مصلوں کو ایجاد کیا۔ جس کی بنا پر اللہ کے بندوں کی عبادت کو بھی متفرق کر کے کتنے مفاسد کا ظہور رہوا، اللہ ہی جانتا ہے۔

مسلمانوں کی عبادت کو مختلف ادیان کی طرح متفرق کر رکھا ہے، یہ ایسی بدعت ہے جس سے ابلیس لعین کی آنکھ ٹھنڈی ہوئی اور جس نے مسلمانوں کو شیطان کے لیے مسخرہ بنا رکھا ہے۔''(۲)

شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے: '' مکہ مکرمہ میں مختلف مصلوں کی تعمیر کے بدعت ہونے پر اجماع ہے۔ جسے فرج بن برقوق چرکسی ملوک میں سے برے بادشاہ نے نویں صدی ہجری کے اوائل میں ایجاد کیا۔ اس زمانے کے اہل علم نے اس پر نکیر کیا۔ اور اس کے خلاف تالیفات بھی لکھیں۔ اللہ اُکبر۔

تعجب کا مقام ہے کہ اللہ کی زمین میں سب سے افضل جگہ میں مسلمانوں کے برے بادشاہ نے جس بدعت کا ایجاد کیا بعد کے آنے والے اہل خیر بادشاہ اس پر ناراض کیوں اور کیسے نہ ہوئے۔ خصوصاً جب کہ ان مصلوں نے مسلمانوں کی جماعی صلاۃ کو کئی ٹکڑوں میں بانٹ دیا ہے۔

صادق ومصدوق اللہ کے رسول ﷺ اختلاف اور تفرق سے منع کرتے اور اتحاد واتفاق کا حکم دیتے تھے۔ بلکہ آپ نے صلاۃ کی مختلف جماعتوں سے منع کیا ہے۔

سب سے خطرناک اور اسلام اور مسلمانوں پر بہت شدید بات ہے کہ حرم شریف میں ہر صلاۃ

---

(۱) الاتباع، ص: ۹۲۔

(۲) تطہیر الاعتقاد عن ادران الالحاد، ص: ۳۴۔

میں ہر امام کی الگ الگ جماعتیں ہوتی ہیں، ہر فرقہ کے لوگ اپنے ہی مصلے پر اپنے امام کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں جیسے کہ یہ لوگ مختلف شرائع اور ادیان کے تابع ہیں۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔[1]

میں نے اپنی کتاب ''المسجد الحرام تاریخہ وأحکامہ'' میں اس مسئلے کو تاریخی طور پر ذکر کیا ہے۔اس میں لکھا ہے کہ مجھے تتبع کے بعد ائمہ اربعہ کے مصلوں اور محاریب کا پہلا ذکر ۴۸۸ھ میں ملا۔اس کا معنی یہ ہے کہ یہ مصلے نویں صدی سے بہت پہلے ہی ایجاد ہو چکے تھے۔[2]

اللہ کے فضل وکرم سے یہ بدعت حرم پاک سے ختم ہوگئی۔جب اسلام کے عبقری اللہ کے دین کے مجدد شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمن آل فیصل رحمہ اللہ جزیرہ عرب پر حاکم ہوئے اور اپنی حکومت کی بنیاد کتاب وسنت کو عام کیا۔عقیدہ سلف کی ایسی خدمت کی جس کی مثال بہت صدیوں کے پہلے قرون خیر ہی میں مل سکتی ہے۔اللہ ان کو اپنی رحمت میں رکھے۔آمین۔

البتہ اموی مسجد میں جیسا کہ وہاں کے لوگوں نے بتایا ہے کہ چار محراب اب بھی باقی ہیں۔اللہ انہیں بھی زائل کر کے مسلمانوں کو ایک امام پر اکٹھا کر دے۔

علماء کے قول پر حلال وحرام کی بنیاد رکھنا:

تعصب مذہبی کے بڑے نقصانات میں سے یہ بھی ہے کہ: اس پر اللہ رب العزت کا یہ قول

اِتَّخَذُوٓا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ صادق آتا ہے۔

جیسا کہ اس کی تفسیر میں آیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ کسی حلال وحرام کی ہوئی اشیاء کو حلال وحرام سمجھے! حالانکہ اللہ نے اسے حلال یا حرام نہیں بتایا۔[3]

---

(۱) ارشاد السائل إلی دلائل المسائل،ص:۹۵۔

(۲) المسجد الحرام تاریخہ وأحکامہ،ص:۱۶۳،۱۶۹۔

(۳) سنن الترمذی،ص:۲۶۵۔ارواء الغلیل:۶/ ۲۰۷۔

ہمارے اس زمانہ میں اس کی سب سے واضح مثال ''حلالہ'' کی ہے۔ حلالہ اسے کہا جاتا ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے۔ تین طلاق کے بعد چونکہ بیوی سے رجوع کرنا حرام ہے۔ اب اس سے دوسرا نکاح کرنا ہو تو اس کے لیے شرط ہے کہ اس نے کسی دوسرے آدمی سے نکاح کرلیا ہو اور وہاں بھی عورت کا نباہ نہیں ہوا، اور دوسرے شوہر نے بھی طلاق دے دی تو پھر ایسی صورت میں پہلا شوہر نئے نکاح سے اسے اپنی بیوی بنا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی دوسری صورت جائز نہیں۔

لیکن حلالہ میں یہ کیا جاتا ہے کہ کسی آدمی سے اتفاق کرلیا جاتا ہے کہ ایک رات کے لیے تم اس عورت سے نکاح کر کے اس کے ساتھ لطف اٹھالو! دوسرے دن طلاق دے دو۔ اس طلاق اور عدت کے بعد پہلا شوہر اس سے نکاح کرلیتا ہے۔ یہ ہے حلالہ!!

اس حلالہ کو حرامہ کہنا صحیح ہوگا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس حرام کام کے کرنے کرانے والے پر لعنت کی بددعا کی ہے، یا اللہ کی لعنت کی خبر دی ہے۔

''لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ''۔

لعنت ہو اللہ کی یا اللہ نے لعنت کی اس پر جو حلالہ کرتا اور جو حلالہ کراتا ہے۔ (۱)

سبحان اللہ! ایک مسلمان کیسے راضی ہو پاتا ہے کہ اللہ کا قول:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (التوبۃ:۳۱)

سن رہا ہو، پڑھ رہا ہو! پھر بھی شرعی امور کے حلال وحرام ہونے میں کسی معین شخص کی تقلید سے خوف نہیں کھاتا، اور اپنے مقلد ومتبع امام کے قول کی بنا پر حرام کو حلال یا حلال کو حرام کر ڈالتا ہے۔

مقام تعجب تو یہ ہے کہ علماء شریعت ہی اس حرام کام کی نگرانی کرتے ہیں، بلکہ بعض اسلامی

---

(۱) سنن الترمذی، ص:۶۵، سنن نسائی ومسند احمد وغیرہ۔

مراکز ومدارس میں اس کے لیے خاص دفاتر ہیں۔

کسی فاضل نے ''حلالہ کی چھری'' کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے۔ اس میں ذکر کیا ہے کہ کئی ایسی شریف لڑکیاں ہیں جو اس چھری سے ذبح ہو چکی ہیں۔ اور وہ تمنا کرتی ہیں کہ کاش! اس برے دن کے دیکھنے اور اس جہنم میں داخل ہونے سے پہلے ہی وہ مر گئی ہوتیں۔ اللہ اپنے بندوں اور بندیوں پر رحم فرمائے!

صحیح احادیث میں ہے: '' مَا اَسْکَرَ کَثِیْرُہٗ فَقَلِیْلُہٗ حَرَامٌ ''۔

یعنی جس چیز کی زیادہ مقدار سے مستی اور نشہ آئے اس کی تھوڑی مقدار کا استعمال بھی حرام ہے۔ (۱)

بہت ہی صریح حدیث ہے ''ما'' لفظ عموم کے لیے بھی ہے یہاں تک کہ اگر برتن میں یقینی طور پر عام پانی رکھا گیا بعد میں کسی وجہ سے اس میں نشہ پیدا ہو گیا تو اس کا پینا حرام ہوگا۔ لیکن بعض مذاہب میں انگوری شراب کے علاوہ دوسرے شراب کی تھوڑی مقدار میں جس سے نشہ نہ آئے اس کا پینا حلال کیا گیا ہے۔ ان کے ہاں تقلید کے علاوہ اس کے لیے اور کوئی دلیل نہیں۔ اس قسم کی شراب کو حلال کہنے کے نصوص ہدایہ، درمختار، طحطاوی، شامی وغیرہ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

علامہ کاسانی المتوفی ۵۸۷ھ بڑی صراحت سے لکھتے ہیں:

''وَاَمَّا الْاَشْرِبَۃُ التي تُتَّخَذُ من الْاَطْعِمَۃِ کَالْحِنْطَۃِ وَالشَّعِیرِ وَالدُّخْنِ وَالذُّرَۃِ وَالْعَسَلِ وَالتِّینِ وَالسُّکَّرِ وَنَحْوِھَا، فَلَا یَجِبُ الْحَدُّ بِشُرْبِھَا، لِاَنَّ شُرْبَھَا حَلَالٌ عِنْدَھُمَا، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ وَاِنْ کان حَرَامًا لَکِنْ ھِيَ حُرْمَۃُ مَحَلِّ الِاجْتِھَادِ، فلم یَکُنْ شُرْبُھَا

(۱) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ۳۱۲۸۔

جِنَايَةً مَحْضَةً ، فَلَا تَتَعَلَّقُ بها عُقُوبَةٌ مَحْضَةٌ ، وَلَا بِالسُّكْرِ منها ، وهو الصَّحِيحُ، لِاَنَّ الشُّرْبَ إِذَا لم يَكُنْ حَرَامًا اَصلًا فَلَا عِبْرَةَ بِنَفْسِ السُّكْرِ كَشُرْبِ الْبَنْجِ وَنَحْوِهٖ‘‘۔

جوشراب گندم، جو، باجرا، شہد، انجیر، چینی وغیرہ سے بنتی ہے اس کے پینے پر کوئی حد نہیں۔ اس لیے کہ اس کا پینا شیخین کے نزدیک حلال ہے، امام محمد اسے حرام فرماتے ہیں لیکن یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اس لیے اس کا پینا قطعی جنایت نہیں، اس کے پینے والے پر سزا بھی نہ ہوگی۔ بلکہ اگر نشہ اور مستی بھی آجائے پھر بھی سزا نہیں! یہی مذہب صحیح ہے کیونکہ جب حرام نہ ہو تو پھر نشہ کا کوئی اعتبار نہیں۔ جس طرح بھنگ وغیرہ کے استعمال پر کوئی سزا نہیں۔‘‘ (۱)

دیکھیں کس وضاحت سے کہہ گئے کہ اس کا پینا حلال ہے حرام نہیں! اور نشے کا کوئی اعتبار نہیں۔ حالانکہ حدیث ’’مَا اَسْكَرَ كَثِيْرُهٗ فَقَلِيْلُهٗ حَرَامٌ‘‘ میں سکر یعنی نشے ہی کا اعتبار کیا گیا ہے۔ یہ بات صرف تقلید کا بندہ ہی کہہ سکتا ہے۔ حدیث شریف پر عمل کرنے والے اس بات کو سن کر کانپ جائیں گے۔

مذہب کی خاطر صحیح احادیث کو ترک کرنا:

اسی طرح مذہبی تعصب کی رسوائیوں میں سے یہ بھی ہے: کہ متعصب مقلد اپنے مذہب کی بنا پر صحیح احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پرواہ نہیں کرتا۔ (۲)

اس کی مثال گھوڑے کے گوشت کو حرام کہنا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صحیح بخاری میں صحیح

---

(۱) بدائع الصنائع للکاسانی: ۷/ ۴۰۔

(۲) دیکھیں: قواعد الاحکام لعز بن عبد السلام: ۲/ ۱۳۶۔

اور صریح فی اللفظ والمعنی احادیث میں گھوڑے کے گوشت کی حلت ثابت ہے۔

نیز امت کا اجماع واتفاق ہے کہ سوائے چند احادیث کے صحیح بخاری کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ اجماع کی مخالفت جائز نہیں! اور جن چند احادیث پر کسی نے اعتراض کیا ہے اگرچہ وہ اجماع سے خارج ہیں لیکن وہ اکثر علماء حدیث کے یہاں صحیح ہیں۔ اس کے باوجود پرانے زمانے کے ایک بڑے حنفی عالم ابو یوسف بن موسی بن محمد بن ابی تکمین الملطی ثم الحلبی نے یہاں تک کہہ دیا:

''من نظر في كتاب البخاري تزندق''۔ (۱)

اسی طرح بہت سی چڑیوں اور درندوں کی حدیث سے حرمت ثابت ہے لیکن بعض مذاہب میں ان کی حلت میں کافی توسع اور لچک ہے۔ اسی طرح بعض مذاہب میں عورتوں کا مسجد میں کوئی صلاۃ پڑھنی جائز نہیں ہے۔ اسی طرح عیدین کی صلاۃ کے لیے بھی ان کا نکلنا جائز نہیں! اسی طرح بعض مذاہب میں قیام صلاۃ میں ہاتھ کو سینے پر نہ رکھنے کی بجائے سیدھا لٹکائے رکھنا صراحتاً صحیح حدیث کی مخالفت ہے۔

تعصب مذاہب کی بنا پر احادیث کے رد کرنے، نیز دور از کار تاویلات کرنے یا ضعیف احادیث سے مذہب کے لیے استدلال کرنے سے متعلق مزید مثالیں دیکھنا چاہیں تو ''اعلام الموقعین'' کا مطالعہ کریں۔

مذہب کے مطابق صحیح احادیث کی غلط تاویلات:

مذہبی تعصب کے برے اثرات میں سے یہ بھی ہے کہ متعصب علماء تک صحیح احادیث کو ترک کرنے کے لیے حدیث کی دور از کار تاویلات اور حیلے بہانے کرتے ہیں، تاکہ حدیث کو نہ لیا جائے اور مذہب کی بات باقی رہ جائے۔ یہ علماء تاویل جب کریں گے تو نصوص سنت کی اور مذہب

(۱) إنباء الغمر بأبناء العمر: ۴/ ۴۴۸۔

کا قول اپنے ظاہر ہی پر محمول کریں گے۔ لیکن تاویل کا خنجر نصوص ہی پر چلائیں گے۔

علماء امت کے بعض اقوال بطور شہادت ملاحظہ کئے جائیں:

عزالدین بن عبدالسلام (ت ۶۶۰ھ) کہتے ہیں:

عجیب بات ہے کہ فقہاء مقلدین میں سے کوئی اپنے امام کی دلیل کو ضعیف پاتا ہے اس کے باوجود کتاب وسنت اور قیاسات صحیحہ کو چھوڑ کر اپنے امام کی تقلید پر جمود اختیار کرتا ہے اپنے امام کے دفاع کے لیے فاسد اور دور از کار تاویلات کے ذریعہ کتاب وسنت کے ظاہری معانی کو دفع کر دیتا ہے۔

ہم نے بذات خود دیکھا ہے کہ وہ مجالس میں اکٹھے ہوتے ہیں اگر ان کے سامنے ان کی عادت کے خلاف کسی مسئلے کا ذکر کیا جائے تو اس پر انتہائی تعجب کا اظہار کرتے اور دلیل کی طرف توجہ نہ کر کے اپنے امام ہی کی تقلید پر عمل کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اسی امام کے مذہب ہی میں حق منحصر ہے۔

ایسے لوگوں کے ساتھ بحث ومباحثہ میں وقت کا ضیاع ہے اور کوئی فائدہ نہیں! بلکہ آپس میں ناچاقی ہی ہوگی۔

میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے امام کے مذہب کے خلاف حق ظاہر ہوجانے کے باوجود بھی اپنے مذہب سے رجوع کیا ہو۔ بلکہ مذہب کو ضعیف جانتے ہوئے بھی اسی پر عمل کرتا ہے۔

افضل یہی ہے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ بحث ہی نہ کی جائے کہ ان کا کوئی جب اپنے امام کے مذہب کی کوئی دلیل نہیں پاتا تو یہ کہہ کر گزر جاتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ ہمارے امام کے پاس کوئی دلیل رہی ہو، ہماری رسائی وہاں تک نہیں ہوسکی۔ سبحان اللہ! کتنے لوگوں کو اللہ نے بصیرت سے محروم کر رکھا ہے کہ اس قسم کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔"[1]

---

(۱) قواعد الاحکام: ۲/ ۱۳۵، ۱۳۶۔

ابوشامہ مقدسی (۵۹۹-۶۵۶ھ) شافعی نے صحابہ کرام کے فقہ بالکتاب والسنۃ اور فقہ الائمہ کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے:

''فقہ وتفقہ کی یہی حالت رہی، بالآخر وہ زمانہ آیا کہ مذاہب کی ہیئت کا مستقل وجود ہوگیا پھر ان میں سے صرف چار مذاہب مشہور ہوگئے، باقی مہجور ہوگئے۔

اس کے بعد اتباع مذاہب میں سے اکثر کی ہمتیں کمزور ہوگئیں تو تقلید کرنا شروع کردیا۔ ائمہ متقدمین کے طریقے کے خلاف کتاب وسنت سے استنباط نہ کیا، بلکہ اپنے ائمہ کے اقوال کو کتاب وسنت کی جگہ دے دی۔ اور انہی اقوال ائمہ کو لے کر انہی پر تفریع اور استنباط کرنا شروع کردیا۔

یہی ان کا آخری مجال نظر واستدلال بن گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ مجتہدین کا وجود نہ رہا۔ مقلدین کا غلبہ ہوا یہاں تک کہ اجتہاد کرنے والے سے تعجب اور اس کی تحقیر کرنے لگے۔ مذاہب پر تعصب بڑھتا گیا، انصاف دلوں میں نہ رہا، ایک دوسرے کی برائیاں کی جانے لگیں، عداوت کے بچھو آپس میں دوڑنے لگے اور بڑے عجیب واقعات کا ظہور ہوا۔

تعصب مذہبی اس حد تک بڑھا کہ جب کسی کے سامنے اللہ کی کتاب اور صحیح سنت رسول کی کوئی دلیل مذہب کے خلاف پیش کی جاتی تو وہ اسے ہر حیلے بہانے سے تاویل کرکے دفع کرنے کی کوشش کرتا اور جس کا لینا اس پر واجب تھا اس سے اعراض کرجاتا۔

یہ دلیل اگر اس کے امام کو مل جاتی تو امام اس کی تعظیم واجلال کرکے اسے قبول کرتے، اور اگر اس کے معارض کوئی دلیل نہ ہوتی تو اسی کے مطابق فتویٰ دیتے اور عمل کرتے۔

پھر حالت مزید بدتر ہوئی کہ ان میں سے اکثر قرآن وحدیث سے اشتغال کو جائز نہ کہتے اور جو ان سے اشتغال کرتا اسے ہی معیوب سمجھتے، کہتے کہ جس طریقے پر ہم ہیں اسی پر مداومت کرنی چاہئے، اور مذہب کے ہی طریقہ پر استدلال ہونا چاہئے۔ چنانچہ ان کی مجلسوں پر مجلسیں

برخواست ہوتیں۔ مگر مجلس میں ایک آیت یا ایک حدیث سننے میں نہ آتی اور اگر کسی حدیث کا ذکر بھی آتا تو پھر مجلس میں کوئی صحیح اور ضعیف کی تمیز کرنے والا نہ ہوتا۔ (۱)

مزید کہا ہے: ’’کہ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ امام کے مذہب پر تعصب اس کے تمام اقوال کے لینے میں نہیں ہے۔ بلکہ صحیح احادیث اور قول امام کے درمیان جمع کر کے عمل کرنے میں امام کی اتباع ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ حدیث اور خبر کو اصل بنا کر اسی کی اتباع کی جائے۔ اور امام کے قول کی تاویل کی جائے۔ لیکن مقلدین کے ہاں معاملہ اس کے برعکس ہے، وہ خبر و حدیث کی تاویل کر کے اسے اپنے امام کے قول کے مطابق کرنا چاہتے ہیں۔‘‘ (۲)

نیز لکھا ہے کہ: ’’ہمیشہ عہد صدیقی کے بعد کے صحابہ پر بھی بہت سی سنتیں مخفی رہیں۔ اور اگر بعض متاخرین کے بارے میں کہہ دیا جائے کہ ان پر بعض سنتیں مخفی رہیں تو متعصب مقلد قبول نہیں کرتا۔ بلکہ کہنے والے کو ڈراتا دھمکاتا اور اپنی ہی گمراہی میں ڈوبا رہتا ہے۔ تعجب کی بات ہے!!! کہ ان میں سے بہت سے لوگوں کے سامنے اگر مذہب کے خلاف آثار صحابہ کا ذکر کیا جائے تو فوراً شرم وحیاء کے بغیر جواب دیتا ہے کہ شافعی کے قول جدید میں صحابی کا قول حجت نہیں ہے۔

وہ ایسا بھی کرسکتا تھا کہ اس غیر مہذب ناپسندیدہ تعبیر کی بجائے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے قول کے دفع کرنے کے لیے کوئی اچھی تاویل اور عذر ڈھونڈتا۔

حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

’’اِنْ یُطِیعُوا اَبَا بَکْرٍ وَعُمَرَ یَرْشُدُوا‘‘۔

اگر یہ ابوبکر وعمر کی اطاعت کریں تو ہدایت پائیں گے۔ (۳)

---

(۱) خطبۃ الکتاب المؤمل، ص: ۹۶۔

(۲) خطبۃ الکتاب المؤمل، ص: ۱۲۷۔

(۳) صحیح مسلم: ۱/ ۴۷۲، حدیث نمبر: ۳۱۱، من حدیث قتادہ۔

نیز ارشاد فرمایا: ''اقْتَدُوا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ''۔

میرے بعد ابوبکر وعمر کی اقتدا کرو۔ (۱)

اور اگر اس کم شرم متعصب کے سامنے شیخین ابو اسحاق اور غزالی کے مدونات کے خلاف صحیح حدیث پیش کی جائے تو بھی اس کی اتباع کو جائز نہیں سمجھتا۔ حالانکہ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے ان کے قول کو چھوڑ کر حدیث کو لیا جائے۔ لیکن یہ متعصب اپنے امام کے مقابلے میں صحابی کے قول کو بھی چھوڑ دینا جائز سمجھتا ہے۔

اسی طرح متاخرین علماء مذاہب کے اقوال کو حدیث نبوی کے مقابلے میں چھوڑنے کو جائز نہیں سمجھتا۔ حالانکہ شافعی نے اس کی اجازت دی ہے اور حکم دیا ہے کہ حدیث مل جائے تو میرے نص کو چھوڑ دو! تو پھر ان مقلدین متاخرین کے قول کی کیا حیثیت ہے؟'' (۲)

اسی جیسا بلکہ اس سے واضح شیخ محمد حیات سندھی اور شاہ ولی اللہ دہلوی کا بھی کلام ہے۔ (۳)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں:

''اسی طرح امام ابوحنیفہ، مالک اور شافعی وغیرہ کے اتباع میں سے جس نے رائے اور قیاس کی تصنیف وتدوین کی ہے تو اپنے متبوع اور ان کے اصحاب کی رائے ہی کو ذکر کیا ہے، کتاب وسنت سے اعراض کیا ہے، کتاب وسنت کی دلیلوں کو اپنے متبوع کی رائے سے وزن کیا ہے۔

اسی طرح جس نے تصوف اور زہد میں تصنیف کی ہے تو اس نے صحابہ وتابعین کے طریقے کو چھوڑ کر متاخرین زہاد کی باتوں ہی کو اصل بنایا ہے۔'' (۴)

---

(۱) سنن الترمذی، ص: ۸۵۹، حدیث نمبر: ۳۸۰۵، باب مناقب عبداللہ بن مسعود۔

(۲) خطبۃ الکتاب المؤمل، ص: ۱۴۲، ۱۴۳۔

(۳) دیکھیں: ایقاظ ہمم أولی الابصار لکلام الشیخ محمد حیاۃ، ص: ۱۷۔ حجۃ اللہ البالغۃ: ۱/ ۱۵۵۔

(۴) مجموعہ فتاوی شیخ الاسلام: ۱۰/ ۳۶۷۔

مزید فرمایا: ''امام ابوحنیفہ وغیرہ کے مقلدین میں سے اکثر جو صحیح حدیث کی مخالفت کرتے ہیں تو دلیل ناسخ کے جانے بغیر کہتے ہیں کہ حدیث منسوخ ہے۔ ناسخ کا علم نہیں ہوتا لیکن ان کا کہنا ہے کہ حدیث کے خلاف اہل مدینہ کے عمل کا ہونا ہی اس کے منسوخ ہونے دلیل ہے۔ اس طرح کی مثالیں بہت ہیں۔''(۱)

امام ابن تیمیہ نے بڑی سچی بات کہی ہے: دیکھیں ابوالحسن الکرخی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب اصول الکرخی میں کہا ہے:

''اصل یہ ہے کہ جو آیت بھی ہمارے اصحاب مذہب کے قول کے خلاف ہے تو وہ یا تو منسوخ ہے یا مرجوح۔ افضل یہ ہے کہ قول اور آیت پر اکٹھا عمل کرنے کے لیے تاویل کی جائے۔''

مزید کہا: ''اصل یہ ہے کہ جو حدیث ہمارے اصحاب مذہب کے قول کے خلاف ہے تو وہ یا تو منسوخ ہے یا اس جیسی دوسری حدیث کے معارض ہے۔ اسے چھوڑ کر کوئی دوسری دلیل دیکھی جائے یا ہمارے مذہب کے اصحاب نے جو وجوہ ترجیح اختیار کئے ہیں ان وجوہ کے ذریعہ مذہب کے موافق حدیث کو ترجیح دی جائے یا پھر دونوں پر عمل کیا جائے۔ جیسی دلیل ملے اسی طرح کیا جائے۔ اگر منسوخ ہونے کی دلیلیں ملیں تو اسی پر محمول کیا جائے۔''

اور کہا ہے ''کہ اصل یہ ہے کہ اگر کوئی مسئلہ سامنے آیا جواب دینے والے کو اپنے اصحاب مذہب کی کتابوں میں سے کوئی جواب یا اس جیسا مسئلہ نہ ملا، جس کو نظیر بنایا جا سکے تو جواب دینے والے کو چاہئے کہ کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ یا اور کہیں سے اقویٰ سے جواب کا استنباط کرے!''(۲)

---

(۱) مجموعۃ فتاوی شیخ الاسلام: ۲۱ / ۱۵۰ / ۱۵۱۔

(۲) اصول الکرخی، ص: ۳۷۳، ۳۷۵۔ المطبوع مع اصول البزدوی، طبع کتب خانہ آرام باغ۔ کراچی۔

اس بزرگ نے مسئلے کے حل کے لیے پہلے اپنے مذہب کی کتابوں میں دیکھنے کی نصیحت فرمائی ہے۔ اگر مذہب کی کتابوں میں نہ ملا تو اس کے بعد کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے حل ڈھونڈھنے کا حق دیا۔ اللہ اکبر، استغفر اللہ۔

بڑی عجیب بات ہے! درحقیقت جامد تقلید اور تعصب نے مقلد اور متعصب کے لیے ہر زمانے میں کتاب وسنت کی طرف سے بے اعتنائی کو آسان کر دیا ہے۔ بے خوف وخطر سنت کو چھوڑ دینا اس کے لیے بہت معمولی کام ہے۔

ابن القیم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے: ''کہ ابوحاتم رازی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہم لوگوں کے نزدیک علم وہ ہے جو اللہ کی کتاب میں ناسخ ومنسوخ نہ ہو اور رسول اللہ ﷺ سے صحیح احادیث جن کا کوئی معارض ومخالف نہ ہو۔ یا پھر وہ چیز جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بالاتفاق ثابت ہو ان کے اختلاف کی صورت میں ان کے اقوال سے نکالا جائے۔

ان سب مصادر میں اگر علم نہ ملے تو تابعین سے جو علم ہو، یا پھر اتباع تابعین سے، اس کے بعد اتباع اور ان کے شاگردوں میں سے کئی کا نام لے کر ذکر کیا۔

اور کہا کہ یہی اہل علم اور ائمہ دین کا طریقہ ہے کہ تابعین واتباع تابعین کے اقوال کو کتاب وسنت اور اقوال صحابہ کے نہ ہوتے ہوئے تیمم کے درجے میں رکھا جائے۔ اور تیمم اس وقت جائز ہے جب پانی معدوم ہو۔

لیکن متاخرین مقلدین نے تیمم کو پانی پر مقدم کیا، حالانکہ ان کو پانی تیمم سے زیادہ آسانی سے مل سکتا ہے۔

اس کے بعد دشمنان علم واہل علم کا ایک فرقہ ایسا نکلا جس کا یہ کہنا ہے کہ مفتی کے سامنے کوئی مسئلہ آئے تو اس کے لیے اپنے امام اور متبوع یا جن کے قول کو اصل معیار سمجھ رکھا ہے ان کے قول

کے علاوہ کتاب وسنت اور اقوال صحابہ کو دیکھنا جائز نہیں! اگر کتاب وسنت امام کے قول کے موافق ہوں تو اس کا فتویٰ دے۔

مگر کتاب وسنت اگر امام کے قول کے خلاف ہیں تو ان سے فتویٰ دینا یا فیصلہ کرنا جائز نہیں۔ اور اگر اس نے کتاب وسنت سے فتویٰ دینے اور فیصلہ کرنے کی جسارت کی تو فتویٰ اور قضاء کے منصب سے معزول کر دیا جاتا۔ اور اس کے بارے میں علماء سے فتویٰ پوچھا جاتا کہ کیا فرماتے ہیں فقہاء کرام اس شخص کے متعلق جو کسی خاص امام کے مذہب کی طرف منسوب ہے ان کے علاوہ کسی کی تقلید نہیں کرتا پھر مذہب کے خلاف فتویٰ دیتا یا فیصلہ کرتا ہے کیا اس کا ایسا کرنا جائز ہے؟ کیا یہ عمل اس کی ذات میں قدح اور عیب کی بات نہیں؟

تو مقلدین سر کو ہلا کر کہتے ہیں کہ اس کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں! وہ مجروح العدالۃ ہوگا۔

ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اس مفتی اور قاضی نے ابوبکر، عمر، ابن مسعود، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل ان جیسے صحابہ عظام رحمہم اللہ کے قول کو اختیار کیا ہو۔ اس کے باوجود جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دستخط کرنے کی ذمہ داری لی ہے۔ یہ کہنے میں دریغ نہیں کرتے کہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں زیادہ جاننے والوں کے ساتھ کتاب وسنت کی بھی دلیل ہو پھر بھی اسے اپنے امام کے قول کی مخالفت جائز نہیں۔

مقلدین کا یہ عمل دین میں بڑا جرم ہے۔ اگر یہ لوگ اپنی حد پر قائم رہ کر لوگوں کو محض ان لوگوں کے اقوال کو بتاتے جن کے قول کے صحیح یا غلط ہونے کا علم نہیں ہے تو ان کے لیے اللہ کے یہاں کوئی عذر ہوسکتا تھا لیکن ان کا مبلغ علم یہی ہے اور ان کی عداوت اہل علم سے اسی طرح کی ہے۔ توفیق اللہ سے ملتی ہے۔''(۱)

---

(۱) اعلام الموقعین: ۳/ ۵۶۰، ۵۶۱۔

مزید کہا ہے: ''اللہ ان پر گواہ ہے! فرشتے بھی گواہ ہیں! اور وہ خود بھی اپنے اوپر گواہ ہیں کہ وہ صرف مسئلے کا حکم اپنے امام ہی سے لیتے ہیں خواہ کتاب وسنت اور آثار صحابہ واضح طور پر ان کے سامنے ہوں تو بھی وہ ان کی طرف مڑ کر دیکھتے بھی نہیں! ہاں ان میں سے صرف وہی لیتے ہیں جو ان کے امام کے قول کے موافق ہو۔''(۱)

اس باب میں ائمہ محققین کے اقوال بڑی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ کسی خاص مذہب پر تعصب اور تشدد کے بڑے نقصانات ہیں۔ اسی وجہ سے علماء نے متعصبین کے خلاف سختی کا رویہ اختیار کیا ہے۔

ابن ابو العز حنفی کہتے ہیں: رافضہ کی طرح کسی ایک امام کے لیے تعصب مذموم صفت اور جاہلیت کا عمل ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم اور سنن النسائی میں جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مَنْ قُتِلَ تَحْتَ رَايَةٍ عُمِّيَّةٍ يَدْعُو عَصَبِيَّةً اَوْ يَنْصُرُ عَصَبِيَّةً فَقِتْلَةٌ جَاهِلِيَّةٌ''۔

جو نامعلوم جھنڈے کے نیچے قتل کیا گیا جو حق وناحق کی تمیز کے بغیر اپنے قوم اور موافق لوگوں کی مدد کرتا ہے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔(۲)

اور ابوداؤد نے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلَى عَصَبِيَّةٍ وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ''۔

---

(۱) اعلام الموقعین: ۳/ ۵۵۷۔

(۲) صحیح مسلم: ۴۸۹۸، کتاب الامارۃ، باب ۱۳۔

جو اپنے ہم خیال لوگوں کے ساتھ حق وناحق کی ہر حالت میں دعوت دیتا اور اسی کی بات کہتا اور اسی پر مرتا ہے تو ہم میں سے نہیں۔ (۱)

متاخرین میں سے علامہ ملا علی قاری حنفی کہتے ہیں کہ ''کیدانی'' نے بڑی عجیب وغریب بات کہی ہے کہ:

صلاۃ میں دسواں حرام فعل یہ ہے کہ اہل حدیث کی طرح سبابہ انگلی سے اشارہ کیا جائے۔ یعنی ان لوگوں کی طرح جو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم ہیں۔

''کیدانی'' کا یہ کہنا بڑے جرم اور بڑی غلطی کی بات ہے اس کا سبب اصول اور فروع کے مراتب سے جہالت ہے۔ اگر حسن ظن آڑے نہ آتا اور اس کی بنا پر ان کے کلام کی تاویل کا امکان نہ ہوتا، تو ان کے صریح کفر اور ارتداد کا حکم لگایا جاتا۔

کیا کسی ایمان والے کے لیے جائز ہے؟ کہ ایسا فعل جس کا ثبوت تواتر کے قریب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اسے حرام کہے۔ اور جس فعل کو عالم علماء ہمیشہ نسلا بعد نسل کرتے چلے آئے ہوں اس سے منع کرے؟ حالانکہ عالی مقام، امام اعظم نے کہا ہے: کہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ جب تک کتاب وسنت سے ہمارے قول کی دلیل کسی کو نہ معلوم ہو جائے اس وقت تک میرے قول کو لے۔ اس قول کو سید رشید رضا نے المغنی لابن قدامہ کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔ (۲)

علامہ عبدالحی لکھنوی کہتے ہیں کہ: ''اس باب میں لوگ زمانۂ قدیم سے اب تک دو فرقوں میں تقسیم ہیں۔ ایک گروہ حنفیت کے لیے تعصب برتتا ہے حدیث صحیح اور اثر صحیح کے ہوتے ہوئے بھی جو کچھ فتاوی میں ہے اسی پر سخت تمسک کرتا ہے، ان کا گمان ہے کہ اگر حدیث صحیح ہوتی تو امام

---

(۱) سنن ابوداود، ص: ۷۶۷، حدیث نمبر: ۵۱۲۱۔ اس کی سند میں ضعف ہے، لیکن صحیح حدیث کے موافق ہے۔

(۲) مقدمہ المغنی: ۱/ ۲۰۔

مذہب اسے ضرور لیتے اس کے خلاف فتوی نہ دیتے۔

یہ ابو حنیفہ سے صحیح سند سے منقول قول سے جہالت کا نتیجہ ہے۔ کہ ان کے اقوال پر احادیث وآثار کو مقدم کیا جائے۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ان اقوال کو چھوڑ دینا جو صحیح حدیث کے خلاف ہیں یہی صواب اور درست ہے۔ اور اس صورت میں امام کی تقلید کو ترک کرنا نہ ہوگا بلکہ امام کی عین تقلید ہوگی۔ (۱)

تعصب مذہبی ایک بدعت ہے:

تعصب مذہبی کی ایک خرابی یہ بھی ہے کہ وہ دین میں ایک بدعت ہے۔

علامہ ابن القیم نے کسی ایک امام کے مذہب پر تعصب کو بدعت کا نام دیا ہے۔ اور اس کے بدعت ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے واجب نہیں کیا اسے ایک مسلمان واجب کرے یا واجب کہے تو یقیناً اس نے دین میں ایک بدعت کا ایجاد کیا۔

ابن قیم کہتے ہیں: ''بداہتاً ہم یہ جانتے ہیں کہ عصر صحابہ میں کوئی آدمی ایسا نہ تھا جو کسی ایک شخص کے تمام اقوال کی تقلید کرتا رہا ہو کہ کوئی قول نہ چھوڑے، یا دوسرے کے اقوال کو اس طرح چھوڑ دیا ہو کہ اس کا کوئی قول نہ لے!

اسی طرح یقیناً ہم جانتے ہیں کہ تابعین یا اتباع تابعین کے زمانے میں بھی کوئی ایسا نہ تھا۔ خیر القرون میں اگر مقلدین کسی ایک آدمی کو ان کے اس برے طریقے پر پائیں تو مجھے جھٹلائیں، نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے مذموم بتائی گئی یہ بدعت تو چوتھی صدی میں ظاہر ہوئی۔ مقلدین ایک امام کے تمام اقوال کی تقلید کر کے حرام شرمگاہ، حرام خون، اور حرام مال کو مباح اور حلال کرتے ہیں اور حلال کو حرام کرتے ہیں۔ ان کے اقوال میں غلط اور صواب کی تمیز نہیں

---

(۱) النافع الکبیر ص: ۱۴۵۔

کرتے، یقیناوہ بڑے خطرے میں ہیں۔ اللہ کے سامنے سخت مقام میں کھڑے ہوں گے وہاں انہیں پتہ چل جائے گا کہ وہ صحیح راستے پر نہ تھے۔''(۱)

ابن قیم رحمہ اللہ نے تقلید اور تعصب کے متعلق اپنی کتاب ''اعلام الموقعین'' اور ''اجتماع الجیوش الاسلامیۃ'' میں بہت کچھ لکھا ہے۔ مسلمان بھائیوں سے گزارش ہے کہ اگر اس مسئلے میں سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیں تو خصوصاً ان دونوں کتابوں کو بغور پڑھیں۔

ضعیف اور موضوع احادیث پر عمل:

تعصب مذہبی کے نقصانات میں سے یہ بھی ہے کہ مذہب کی تائید میں متعصب علماء ضعیف اور موضوع احادیث سے بھی استدلال کرتے اور ان پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں: ''جو حدیث زید العمی انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے کہ ہم صحابہ رسول ﷺ کی جماعت سفر میں ہوتے تو ہم میں کچھ صائم ہوتے اور کچھ صائم نہ ہوتے، ہم میں کوئی پوری صلاۃ پڑھتا تو کوئی قصر کرتا لیکن کوئی ایک دوسرے کو معیوب نہ جانتا۔ بلا شبہ یہ حدیث جھوٹی ہے۔

زید عمی کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ وہ متروک راوی ہے۔

انس رضی اللہ عنہ سے صرف صوم کے متعلق حدیث ثابت ہے، اس کی توضیح یہ ہے کہ صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے ساتھ سفر کرتے مگر الگ منفرد طور پر صلاۃ نہیں پڑھتے بلکہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہی پڑھتے تھے، بخلاف صوم کے کہ اس میں اختلاف ممکن ہے کہ کوئی صائم ہو یا مفطر۔ اس لیے یہ حدیث جھوٹی ہے۔

اگر چہ بیہقی نے اس کی روایت کی ہے لیکن ائمہ نے اس پر اعتراض کیا ہے، اہل علم کی رائے

---

(۱) اعلام الموقعین: ۳/ ۲۸۵۔

ہے کہ بیہقی اپنے بحوث میں اپنے مخالف کی دلیلوں کو مکمل جمع نہیں کرتے جس طرح اپنے مسلک کی تائید میں استیفاء کرتے ہیں اور وہ خود ایسے آثار سے احتجاج واستدلال کرتے ہیں کہ مخالف اگر ان سے استدلال کرے تو وہ ان کے ضعف کو بیان کرتے ہیں وہ اپنے دین اور علم کے باوجود ایسا اس طرح کر گزرتے ہیں جس طرح دوسرے لوگ کر جاتے ہیں کہ اپنے قول کی تائید میں حدیث رسول ﷺ کو بہر حال ذکر کرنا ہے خواہ وہ کسی بھی درجے کی ہو، تو جو بھی ایسا کرے اسکی دلیل ساقط ہوگی اور ان کا ناحق تعصب ظاہر ہوگا، جس طرح جو لوگ آثار کو جمع کر کے اپنے مذہب کی تائید میں آثار کی فاسد تاویلات کرتے ہیں۔

جیسا کہ طحاوی ''صاحب شرح معانی الآثار'' کرتے ہیں۔ لیکن بیہقی طحاوی سے زیادہ آثار کے تنقیہ اور تمیز کی کوشش کرتے ہیں۔''[1]

یہ حقیقت ہے کہ بہت سے مواقع پر اہل مذاہب ضعیف احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ اس مسئلے میں یہ عذر کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو صحیح سمجھ کر اس سے استدلال کیا ہے۔

لیکن اس عذر کو قبول کرنے میں یہ امر مانع ہے کہ وہی لوگ ایسی حدیثوں کی تصحیح اور اس سے استدلال کرتے ہیں کہ مخالف کی حدیث میں اگر انہی رواۃ کے ذریعہ انہیں کی حدیث ہے تو اس کی تضعیف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہاں اگر واقعی اس حدیث کی اور اس کے رواۃ کے ذریعہ مروی دوسری روایات کی بھی تصحیح کرتے تب انہیں معذور سمجھا جاتا۔

فقہاء کے ضعیف احادیث سے استدلال کے متعلق جسے مزید دیکھنا ہو تو ان کتابوں کا مطالعہ جن میں مذاہب کی فقہی کتابوں کی احادیث کی تخریج کی گئی ہے کر سکتے ہیں۔

---

(۱) مجموعۃ فتاوی شیخ الاسلام: ۲۴ / ۱۵۳، ۱۵۴۔

اجماع کا ترک:

تقلید اور تعصب کے نقصانات میں سے یہ بھی ہے کہ اجماع المسلمین کا عملی طور پر انکار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اجماع پر عمل ترک کرنا جائز نہیں۔

دیکھیں کہ صحیحین کی تمام احادیث کی صحت پر امت کا اجماع ہے سوائے چندان احادیث کے جن پر بعض ائمہ نے تنقید کی ہے، وہ اگر چہ صحیح ہیں مگر اجماع سے خارج ہیں۔

غیر منتقد احادیث میں سے صحیحین کی گھوڑے کی حلت اور ہدی کے اشعار کی حدیث بھی ہے جس کے معنی واضح ہیں کوئی غموض نہیں۔ اس کے باوجود بعض مذاہب کے لوگ اس کے خلاف فتوی دیتے ہیں اور اس حدیث کو بے عمل بتاتے ہیں۔

وجہ یہ ہے کہ بعض ائمہ کی طرف گھوڑے کی حرمت اور اشعار کو مثلہ سے تشبیہ دینے کی نسبت کی گئی ہے۔ امام کی طرف اس کی نسبت ظنی ہے، اور حدیث کی نسبت اجماعی اور یقینی ہے۔ اصولی طور پر وہ خود کہتے ہیں کہ ظن کے مقابلے میں یقین ہی پر عمل کیا جائے گا تو پھر اجماع یقینا یقین ہے۔ بلکہ وہ اصول ائمہ کی روشنی میں بعض صحابہ کے آثار اور قیاس پر بھی مقدم ہے۔ (اس کی تفصیل کتاب الاتباع میں مذکور ہے۔)

اہل مذاہب کی آپس میں عداوت:

تعصب مذاہب کی فتنہ سامانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اصحاب مذاہب ایک دوسرے سے دشمنی رکھتے اور طاقت پانے کے بعد ایک دوسرے کو ستانے سے دریغ نہیں کرتے۔ اس کے متعلق بعض واقعات کو میری کتاب ''الاتباع'' کے مقدمہ اور سبب تالیف میں دیکھا جائے۔

یاقوت حموی معجم البلدان میں اصبہان شہر کے ذکر میں کہتے ہیں:

''اس وقت اور اس سے پہلے اصبہان میں شافعیہ اور حنفیہ کے درمیان تعصب اور فتنوں کے

سبب ویرانی چھائی ہوئی تھی اور ہے۔ دونوں فرقوں میں جنگ ہوتی رہتی ہے جب بھی کوئی فرقہ غالب ہوتا دوسرے فرقے کے محلوں کو لوٹ کرنذر کرآتش کر کے ویران کر دیتا۔ اس میں انہوں نے کسی عہد اور حرمت کا پاس نہیں کیا۔''(۱)

رَیّ شہر کے ذکر میں لکھا ہے کہ: ۶۱۷ھ میں تاتاریوں سے شکست خوردہ ہونے کے بعد ''ری'' کی ویرانیوں سے گزرنے کا اتفاق ہوا، تو دیکھا کہ گھروں کی دیواریں کھڑی ہیں لیکن چھتیں ڈھادی گئی ہیں۔ ''ری'' کے بعض عقلمندوں سے میں نے پوچھا: کہ کیا وجہ ہے؟ تو اس نے بتایا کہ کوئی بڑی وجہ نہیں ہے لیکن اللہ کی مشیت جب وہ کوئی چیز چاہ لے تو وہ ہو کر رہے گی۔

قصہ یہ ہے: کہ ''رَیّ'' شہر میں تین مذہب کے لوگ رہتے تھے۔ شافعیہ جو سب سے تھوڑی مقدار میں تھے، حنفیہ جو شافعیہ سے زیادہ تعداد میں تھے، اکثریت شیعہ کی تھی۔ شہر میں آدھے سے زیادہ تعداد میں وہی تھے، دیہات میں کوئی شافعی مذہب کا نہ تھا۔ شیعہ اور سنیوں کے درمیان تعصب اور اختلاف ہوا۔ حنفیہ اور شافعیہ نے مل کر ان سے جنگ کی، جنگ لمبی رہی یہاں تک کہ شیعہ کا وجود ختم کر دیا۔

جب شیعہ فنا ہو گئے تو پھر حنفیہ اور شافعیہ کے درمیان تصادم ہوا، مختلف جنگوں کے بعد ہر ایک جنگ میں شافعیہ کا غلبہ رہا، حالانکہ ان کی تعداد کم تھی، مگر اللہ نے ان کی مدد کی دیہات کے حنفی بھی ہتھیاروں سے لیس ہو کر شہر کے لوگوں کی مدد کو آئے لیکن بے سود رہا، یہاں تک کہ حنفیہ کو بھی شہر سے ختم کر دیا۔

تو یہ ویرانی جو دیکھ رہے ہو! یہ شیعہ اور حنفیہ کے محلوں کی ہے صرف شافعیہ کا محلہ صحیح سالم ہے حالانکہ ''رَیّ'' میں سب سے چھوٹا محلہ ہے۔ اب شیعہ اور حنفیہ میں سے وہی باقی ہوگا جو اپنے مذہب کو چھپا کر رہتا ہو۔

---

(۱) معجم البلدان: ۱/ ۲۰۹۔

میں نے شیعہ اور حنفیہ کے گھروں کو دیکھا، ان کے گھر زمین دوز ہیں ان کے محلوں تک جانے کا راستہ بھی کٹھن اور بے حد اندھیرا ہے، وہ اس وجہ سے اپنے محلوں کو اس طرح بنا کر رکھے ہیں کہ پولیس کے لوگ رات کے وقت ان پر حملے کرتے تھے، اگر زمین کے اندر گھر نہ ہوتے تو ان میں سے شائد کوئی نہ بچتا۔"(۱)

تعصب واختلاف کی بنا پر اعداء اسلام کا غلبہ:

تفرقہ بازی اور تعصب کی قباحتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ایسے میں دشمنوں کو مسلمانوں کے اوپر فکری اور جنگی طور پر غلبہ کا موقع ملتا ہے کیونکہ اختلافات کی جنگوں میں بے حال ہو کر ان کی اپنی طاقت جاتی رہتی ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ (الانفال:۴۶)

اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، آپس میں نزاع نہ کرو، ورنہ تمہاری طاقت جاتی رہے گی۔ اور تم ناکام ہو جاؤ گے۔ صبر سے کام لو اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ وہ مرد مجاہد ہیں جنہوں نے بذات خود تاتاریوں سے میدانی جنگ بھی کی ہے کہتے ہیں:

مشرق کے شہروں پر اللہ نے تاتاریوں کو غلبہ دیا ہے، اس کا سبب مسلمانوں کی آپس میں فرقہ بندی ہے، اہل مذاہب کے درمیان بہت فتنے ہو رہے ہیں، شافعی مذہب کا آدمی اپنے مذہب پر اس قدر تعصب رکھتا ہے کہ اصل دین ہی سے نکل جاتا ہے۔ امام احمد کی طرف انتساب رکھنے والا دوسرے

---

(۱) معجم البلدان: ۳/ ۱۱۷۔

مذہب کے خلاف تعصب برتتا ہے۔ مغرب میں امام مالک کی طرف منتسب دوسرے کے خلاف تعصب رکھتا ہے، یہ سب وہی اختلاف اور تفرق ہے جس سے اللہ اور رسول ﷺ نے منع کیا ہے۔

مزید کہتے ہیں کہ باطل پر تعصب کرنے والے یہ سب متعصبین ظن وتخمین کے پیچھے چلنے والے، اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنے نفس کی پیروی کرنے والے مذمت اور عقاب کے مستحق ہیں۔

یہ مسئلہ بڑا طویل ہے، اس مختصر فتویٰ میں اس کے ذکر کی گنجائش نہیں، کیونکہ تمسک بالکتاب والسنۃ اور آپس میں اتحاد ومحبت یہ دین کے اصول میں سے ہے۔ اور فروعی اختلافی مسائل یہ مخفی مسائل میں سے ہیں۔ شاخ کی حفاظت کے لیے جڑ کو چھوڑنا معقول نہیں!

پھر عام متعصبین کتاب وسنت کو جانتے ہی نہیں الا ماشاء اللہ، بلکہ ضعیف احادیث اور فاسد آراء واقوال یا بعض علماء اور مشائخ کے قصوں پر تمسک کرتے ہیں۔ یہ قصے سچے اور جھوٹے بھی ہوتے ہیں۔ اگر سچے بھی ہوں تو اصحاب قصہ معصوم نہیں ہوتے، یہ لوگ غیر معصوم شخص کے غیر محقق نقول کا تمسک کرتے اور نبی معصوم ﷺ سے منقول اقوال مبارکہ کو ترک کردیتے ہیں جسے معتمد اہل علم نے نقل کیا ہے۔

ان نقول کو نبی کریم ﷺ سے روایت کر کے ثقات محدثین نے صحیح کتابوں میں جمع کیا ہے۔ ائمہ دین کا اتفاق ہے کہ یہ لوگ سچے ہیں اور جس ذات سے نقل اور روایت کرتے ہیں وہ ذات معصوم ہے۔ یعنی ہم سب کے نبی ﷺ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتے، وحی کے ذریعہ ہی بولتے ہیں، جن کی اطاعت اور اتباع تمام مخلوق پر اللہ مالک الملک نے واجب کیا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾ (النساء:٦٥)

آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ مومن نہیں ہوں گے جب تک اپنے اختلافی مسائل میں آپ سے فیصلہ لے کر تسلیم ورضا سے قبول نہ کرلیں اور اپنے دلوں میں آپ کے فیصلے کے بارے میں کوئی تنگی نہ محسوس کریں۔

نیز ارشاد فرمایا:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ (النور: ۶۳)

جو آپ کے امر کی مخالفت کر رہے ہیں وہ ڈر جائیں کہ انہیں فتنہ نہ پہنچے یا دردناک عذاب نہ آلے۔

فَصْل ⑪

کیا مذاہب کو لے کر قرآن وسنت سے بے نیاز ہوا جا سکتا ہے؟

کیا مذاہب کو لے کر قرآن وسنت سے بے نیاز ہوا جاسکتا ہے؟

اس فصل کو میں نے ایک حادثے سے متاثر ہو کر لکھا ہے۔ حادثہ یہ ہے کہ پاکستان میں کسی بزرگ نے ایک کتاب لکھی ہے اس کا نام ''دفاع امام ابوحنیفہ'' ہے اس کتاب کی تقریظ بھی کسی دوسرے بزرگ نے لکھی ہے، تقریظ کا نام مقدمہ رکھا ہے، لکھتے ہیں:

''فقہ حنفی سے تغافل اور اس کا نتیجہ''

جب سے اسلامی ممالک پر غیر مسلم حکومتوں کو بالذات یا بالواسطہ تسلط حاصل ہوا ہے اور ہو رہا ہے تو ان ممالک کے مسلمان فقہ حنفی سے اس قدر غافل ہو رہے ہیں کہ ان کو حنفیت کا احساس تک نہیں رہا۔

اسی طرح وطن عزیز پاکستان میں بعض وہ ادارے اور طبقات جن کو حنفیت کے فروغ اور تحفظ کے لیے محنت کرنی چاہئے تھی بالارادہ یا بلا ارادہ اس سے غفلت برت رہے ہیں، دینی مدارس میں فقہی نصاب کو مختصر سے مختصر کیا جا رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک میں مفتی حضرات کا فقدان ہے، استدلال کی بجائے فقہ حنفی کے لیے قرآن وحدیث کا مطالعہ زوروں پر ہے! جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بارہ سو سال سے مرتب شدہ مسائل میں موشگافیاں کی جا رہی ہیں۔

کتب حدیث کا اردو زبان میں صرف ترجمہ کر کے عدم تقلید کا دروازہ کھولا جا رہا ہے۔ اس کے نتیجہ میں علماء راسخین کی جگہ صرف اردو خواں اور اردو طبقہ لے کر مارقیت کی اشاعت کر رہا

ہے۔حالانکہ ہر مقلد کے لیے آخری دلیل مجتہد کا قول ہے جیسا کہ مسلم الثبوت میں ہے:

''أما المقلد فمستنده قول المجتهد''۔

اب اگر ایک شخص امام ابوحنیفہ کا مقلد ہونے کا مدعی ہو اور ساتھ ہی وہ امام کے قول کے ساتھ یا علیحدہ قرآن وسنت کا بطور دلیل مطالعہ کرتا ہو تو بالفاظ دیگر اپنے امام اور راہ نما کے استدلال پر یقین نہیں رکھتا۔(۱)

عرض ہے کہ ان سطور میں صاحب تقریظ نے کھل کر کتاب وسنت سے استدلال کو چھوڑنے کی دعوت دی ہے کیونکہ ان کی نظر میں کتاب وسنت سے استدلال مذہب حنفی کی ہتک ہے۔

اسی طرح حدیث کی کتابوں کے ترجمہ سے بھی ناراضگی کا اظہار کیا ہے اور اس کو دین سے خروج کا سبب بتایا ہے۔

اسی قسم کے افکار کی تردید میں اسی زمانہ کے ایک بڑے محقق عالم ہمارے استاذ الشیخ محمد الامین شنقیطی رحمہ اللہ کا تحقیقی قول نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں، بڑا نفیس کلام ہے غور سے پڑھیں۔

انہوں نے اپنی کتاب ''أضواء البیان'' میں اللہ سبحانہ وتعالی کے قول:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾ (محمد: ۲۴)

کی تفسیر کرتے ہوئے کہا ہے: کہ اس آیت سے متعلق چند مسائل کا ذکر:

پہلا مسئلہ:...... جان لو کہ علم اصول کے بعض متاخرین علماء نے کہا ہے: کہ قرآن عظیم میں تدبر اور اس کے سمجھنے کی کوشش اور اس پر عمل صرف مجتہد لوگوں ہی کے لیے جائز ہے اور لوگوں کی خود ساختہ شروط پر جو شخص اجتہاد مطلق کے درجہ پر نہیں ہے، اس کے لیے کتاب وسنت سے استدلال جائز نہیں! یہ ایسا قول ہے جس پر قطعاً کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔

---

(۱) کتاب دفاع امام ابوحنیفہ،ص:۲۶۔

بلاشبہ حق بات یہ ہے کہ ہر وہ شخص جسے کتاب وسنت کے معانی کے سیکھنے اور سمجھنے کی قدرت ہے اسے ان دونوں کا سیکھنا اور ان کے معانی پر عمل کرنا واجب ہے۔

عمل بلا علم بالاتفاق ممنوع ہے:

مگر کتاب کا جو جزء خواہ ایک آیت اور ایک حدیث ہی ہو۔ جس کو کسی نے صحیح طریقۂ علم سے سیکھا ہے تو اس کے لیے اس پر عمل کرنا جائز ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ اللہ کی کتاب میں تدبر نہ کرنے کا گناہ اور اس پر انکار تمام لوگوں کے لیے ہے۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ اس قرآن کے اولین مخاطب منافقین اور کفار تھے ان میں سے کسی میں بھی علماء اصول کے شروط پر (جن کی کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہیں) مجتہد کے شروط نہ تھے۔

بلکہ ان شروط میں سے کوئی شرط بھی شاید نہ رہی ہو۔ تو اگر قرآن سے صرف مجتہد لوگ استفادہ کر سکتے یا اس سے صرف مجتہد ہی ہدایت لے سکتے! تو اللہ تعالیٰ کفار کو اس سے ہدایت نہ لینے کی صورت میں توبیخ نہ کرتا۔ اور حجت قائم نہ کرتا جب تک کہ وہ علماء اصول کے شروط پر مجتہد نہ ہو جاتے۔

یہ بات یقینی ہے کہ سبب نزول آیت کے معنی میں قطعی طور پر داخل ہوتا ہے۔ اس لیے کفار و منافقین کا اس آیت کے معنی و مفہوم میں داخل ہونا قطعی اور یقینی ہے۔ اگر قرآن سے انتفاع اور ہدایت یابی صرف مجتہدین ہی کے لیے ہوتی تو اللہ تعالیٰ کفار کے عدم تدبر اور عدم عمل پر انکار نہ فرماتا۔ اور یہ بات بھی واضح ہے کہ واقعہ اس کے خلاف ہے۔

یہ بات بھی مخفی نہیں کہ اجتہاد کے شروط کی ایسے مسائل میں ضرورت ہوتی ہے جو اجتہادی مسائل ہیں۔ کتاب وسنت کے منصوص مسائل میں کسی کے لیے اجتہاد جائز نہیں، کہ شروط اجتہاد کی شرط لگائی جائے۔ ان میں تو خالص اتباع کرنا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مراقی السعود کے مصنف نے قرافی سے لے کر جو یہ کہا ہے:

من لم يكن مجتهدا فالعمل

منه بمعنى النص مما يحظل

کہ جو شخص مجتہد نہ ہو تو اس کے لیے نص پر عمل کرنا ممنوع ہے۔ تو یہ قول قطعاً غلط ہے۔

اس کی کوئی دلیل نہیں بلکہ آیات واحادیث سے یہ قول متعارض ہے اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ کتاب وسنت کے عمومات کو بغیر دلیل کے خاص کرنا جائز نہیں۔''

یہ بھی یقینی ہے کہ تمام لوگوں کو عمل بالکتاب والسنۃ کی ترغیب میں آیات اور احادیث گنتی سے زیادہ ہیں۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''تركت فيكم ما إن تمسكتم به لن تضلوا: كتاب الله وسنتي''۔

تم میں ایسی چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اسے جب تک پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

''عليكم بسنتي'' میری سنت کو لازم پکڑ لو۔ وغیرہ

ان سب نصوص کو مجتہدین کے ساتھ خاص کرنے اور کتاب وسنت سے ان کے علاوہ کے لیے انتفاع کو قطعاً حرام کرنے کے لیے اللہ کی کتاب یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے دلیل کی ضرورت ہے، متاخرین علماء کی آراء سے ان نصوص کی تخصیص صحیح نہیں۔

یہ بھی یقینی ہے کہ مقلد محض کو علماء یا انبیاء کے وارثین میں سے شمار کرنا جائز نہیں! جیسا کہ توضیح آگے آرہی ہے۔

صاحب مراقی السعود نے گزشتہ شعر کی شرح میں نشر البنود میں کہا ہے کہ غیر مجتہد کے لیے قرآن

کے نص یا سنت رسول کے نص پر عمل کرنا منع ہے کیونکہ ان نصوص کے منسوخ یا مقید یا مخصص ہونے کے عوارض کا امکان ہے جس کو مجتہد ہی ضبط کرسکتا ہے۔ اس لیے اللہ رب العزت سے اسے اسی وقت چھٹکارا مل سکتا ہے کہ وہ کسی مجتہد کی تقلید کرے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صاحب مراقی السعود یا قرافی نے مجتہدین کے علاوہ کتاب اللہ اور سنت رسول سے استفادہ کو جو منع کیا ہے اس کی کوئی دلیل نہیں سوائے مطلق نسخ وتقید وتخصیص کے احتمال کے اور یہ دلیل دو وجوہ سے مردود ہے۔

پہلی وجہ: یہ ہے کہ بنیادی بات یہ ہے کہ نص کا نسخ سے محفوظ رہنا اصل ہے، جب تک اس کا کوئی ناسخ نہ ہو، نص عام عموم ہی پر رہے گا جب تک کوئی مخصص دلیل نہ آجائے، اسی طرح نص مطلق ہی رہے گا جب تک کوئی مقید نہ آجائے۔ نصوص پر عمل واجب ہے جب تک کوئی شرعی دلیل اس کے نسخ یا تخصیص یا تقید پر قائم نہ ہوجائے۔

بہرحال نصوص کے ظاہر عموم واطلاق پر عمل اس وقت تک ترک نہیں کیا جائے گا جب تک تخصیص یا تقیید کی کوئی ایسی دلیل ہو جس کی طرف رجوع واجب ہو، محض احتمال کی بنا پر چھوڑنا جائز نہیں، تو بہت سے متاخرین کا یہ دعوی کہ نص پر اس وقت تک عمل نہ کیا جائے جب تک مخصص اور مقید کو تلاش نہ کرلیا جائے تو یہ دعوی تحقیق کے خلاف ہے۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ غیر مجتہد جب بعض آیات یا احادیث کو عمل کرنے کے لیے سیکھے گا تو اس کے ساتھ ساتھ اس کا مخصص اور مقید بھی سیکھے گا، اور علماء سے پوچھ کر یا تفسیر وحدیث کی معتبر کتابوں کو دیکھ کر اس کا سیکھنا بہت آسان ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے عہد اول میں ایک ہی آیت کو سیکھ کر اس پر عمل کرتے تھے، اسی طرح ایک ہی حدیث سیکھتے اور اس پر عمل کرتے تھے اور رتبہ اجتہاد کے حصول کا انتظار نہ کرتے

تھے جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ (البقرۃ: ۲۸۲)

اللہ سے ڈرو! اللہ تمہیں علم دے گا۔

اسی طرح اللہ کا قول ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا (الانفال: ۲۹)

اے مومنو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو تمہارے لیے فرقان بنا دے گا۔

فرقان کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ علم نافع جو حق و باطل میں تفریق کر سکے۔

اسی طرح اللہ کا قول ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ (الحدید: ۲۸)

اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ تمہیں اپنی رحمت کے دو حصوں سے نوازے گا اور تمہارے لیے نور بنا دے گا جس کو لے کر چلو گے۔

یہ تقویٰ جس کی بنا پر اللہ رب العزت بندے کو مزید علم دے گا وہی ہے کہ اللہ نے جس چیز کا علم دیا ہے اس پر عمل کرے اور یہ اس پر عمل کرنا ہوا جس کو اللہ نے اسے سکھایا اور جو وہ نہیں جانتا تھا اسے اللہ نے سکھایا۔

تو یہ کہنا کہ کتاب وسنت پر کسی کو اس وقت تک عمل کرنا منع ہے جب تک کہ اجتہاد کے درجہ کو نہ پہنچ جائے، اس قول سے کوشش کی جارہی ہے کہ تمام مسلمانوں کو قرآن کی روشنی سے اس وقت تک محروم رکھا جائے جب تک ایک ایسی شرط حاصل نہ ہو جائے جو خود اس قول کے قائلین کے یہاں معدوم ہے۔

یہ اللہ اور اس کی کتاب اور سنت رسول پر بہت بڑا دعوی ہے۔

پھر آپ نے لکھا ہے کہ ہر اس مسلمان پر فرض ہے جو اللہ کے سامنے پیش ہونے سے ڈرتا ہے کہ اس خطرناک کے بھنور اور بڑی مصیبت سے نکلنے کے متعلق سوچے جو دنیا کے اکثر شہروں میں پھیل چکی ہے۔ وہ مصیبت عظمیٰ اس دعویٰ کی شکل میں ہے کہ صرف مذاہب سے احکام وعبادات ومعاملات وغیرہ کو لے کر کتاب اللہ وسنت رسول سے پورے طور پر مستغنی وبے نیاز ہوا جا سکتا ہے۔ درحقیقت اس دعویٰ کی بنیاد مزید دو دعاوی پر ہے۔

پہلا: یہ کہ کتاب وسنت پر عمل صرف مجتہدین ہی کے لیے جائز ہے۔

دوسرا: یہ کہ اب دنیا سے مجتہدین کا وجود ختم ہو چکا ہے کسی ایک مجتہد کا بھی وجود نہیں۔

ان دو دعاوی کی بنا پر تمام اہل زمین کو کتاب وسنت پر عمل سے قطعی طور پر روکا جا رہا ہے۔ اور صرف مذاہب مدونہ کو کافی سمجھا جا رہا ہے۔

نیز بہت سے لوگوں نے اس میں ایک اور چیز کا اضافہ کر رکھا ہے، وہ یہ کہ مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی اور مذہب کی تقلید بھی منع ہے۔ قیامت تک انہی مذاہب پر عمل کو واجب کہا جاتا ہے۔

میرے بھائی! اللہ تم پر رحم کرے غور کرو کیسے ایک مسلمان کے لیے جائز ہو سکتا ہے کہ کتاب وسنت کے سیکھنے کو واجب نہ کہے۔ اور پھر ان دونوں سے ہدایت حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے منع کرے اور غیر معصوم لوگوں کے اقوال کو کافی سمجھ لے، جو یقیناً غلطیاں بھی کرتے ہیں۔

اگر ان کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ کتاب وسنت کے سیکھنے کی ضرورت ہی نہیں اور مذاہب ان دونوں کی جگہ کافی ہیں تو یہ بہت بڑا بہتان، جھوٹ اور منکر بات ہے۔ اور اگر وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کتاب اور سنت رسول کا سیکھنا مشکل ہے تو یہ خیال بھی باطل ہے کیونکہ لوگوں کے آراء اور اجتہادات کے مسائل جو یقیناً بہت زیادہ اور بے حد مشکل ہیں ان کی بہ نسبت کتاب اللہ اور سنت

رسول ﷺ کا سیکھنا بہت ہی آسان ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت فرماتا ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾ (القمر:۱۷)

ہم نے قرآن کو نصیحت لینے والوں کے لیے آسان کر دیا ہے۔

نیز ارشاد فرمایا:

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ (الدخان:۵۸)

بے شک ہم نے قرآن کو آپ کی زبان مبارک کے ذریعہ آسان کر دیا ہے تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں۔

مزید ارشاد فرمایا:

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ (مریم:۹۷)

بے شک ہم نے قرآن کو آپ کی زبان مبارک کے ذریعہ آسان کر دیا ہے تاکہ آپ اس کے ذریعہ متقی لوگوں کو خوشخبری دیں اور سرکش قوم کو ڈرائیں۔

اس لیے قرآن کریم اس شخص کے لیے آسان کتاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔

فرمان الٰہی ہے:

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ (العنکبوت:۴۹)

بلکہ یہ واضح آیات ہیں۔ ان لوگوں کے سینوں میں جنہیں علم دیا گیا ہے صرف ظالم لوگ ہی اس کا انکار کریں گے۔

پھر فرمایا:

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

(الاعراف: ۵۲)

ان کے لیے ہم ایسی کتاب لائے ہیں جس کو ہم نے اپنے علم سے مفصل بیان کیا ہے۔ اور یہ ایمان والوں کے لیے ہدایت اور سراپا رحمت ہے۔

اس لیے اس میں شک نہیں کہ جو شخص قرآن کریم کی ہدایات سے دور رہا ہے وہ اللہ کی ہدایت اور رحمت سے دور ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔

اس میں بھی شک نہیں کہ قرآن ہی وہ نور ہے جسے اللہ رب العزت نے زمین میں اتارا ہے تاکہ اسی کی روشنی میں حق و باطل، اچھے برے، ہدایت اور گمراہی کی پہچان ہو سکے۔ فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ (النساء: ۱۷۴)

اے لوگو! تمہارے پاس اللہ کی واضح دلیل اور نشانی آ چکی اور واضح اور روشن کرنے والا نور ہم نے تمہاری طرف اتارا۔

نیز فرمایا:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ (المائدۃ: ۱۵، ۱۶)

اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور اور کھلی کتاب آ گئی اس کے ذریعہ جو اللہ کی مرضی کی اتباع کرتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ سلامتی کے راستوں کی ہدایت دیتا ہے۔ اور اپنے حکم

سے روشنی کی طرف نکالتا اور صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔

نیز فرمایا:

وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۙ (الشوریٰ: ۵۲)

اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح کی وحی کی، آپ کتاب اور ایمان کو جانتے نہ تھے، مگر ہم نے اسے نور بنایا ہے۔ اپنے بندوں میں سے جسے چاہوں گا اسے ہدایت دوں گا۔ اور یقیناً تو صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔

نیز فرمایا:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْۤ اَنْزَلْنَا (التغابن: ۸)

ایمان لاؤ! اللہ اور رسول پر اور اس نور پر جسے ہم نے اتارا ہے۔

نیز فرمایا:

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۠ (الاعراف: ۱۵۷)

جو ایمان لائے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تائید کی اور ہمارے اتارے ہوئے نور کی اتباع کی وہی لوگ کامیاب ہیں۔

مسلمان بھائی! جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ قرآن عظیم ہی وہ نور ہے جسے اللہ نے زمین پر اتارا ہے تا کہ اس سے روشنی اور اس کی ہدایت سے ہدایت حاصل کی جائے تو پھر تم اپنے لیے کیسے پسند کرتے ہو کہ اس نور سے اندھے ہو کر آنکھیں بند کر لو۔ اس چمگادڑ کی طرح نہ ہو جاؤ کہ دن کی

روشنی اسے اندھا کر دیتی ہے، رات کا گھپ اندھیرا ہی اس کے لیے مناسب ہوتا ہے۔

اے انصاف والے مسلمان! اسی سے جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر اپنی کتاب اور رسول ﷺ کی سنت کا ہر جدید و مفید ذرائع سے سیکھنا آسان کر دیا ہے اور اللہ تمہیں جو صحیح علم دے اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

شیخ نے مزید کہا ہے کہ احمد صاوی نے سورۃ الکہف وآل عمران کے جلالین کے حاشیہ پر جو کہا ہے اس سے بہت سے نام نہاد طالب علم دھوکہ کھا گئے ہیں کیونکہ وہ حق و باطل کی تمیز نہیں رکھتے، **وَلَا تَقُولَنَّ لِشَاىْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا** (الکہف: ۲۳) پر کلام کرتے ہوئے کہا کہ:

”وَلَا يَجُوزُ تَقْلِيدُ مَا عَدَا الْمَذَاهِبَ الْأَرْبَعَةَ، وَلَوْ وَافَقَ قَوْلَ الصَّحَابَةِ وَالْحَدِيثَ الصَّحِيحَ، فَالْخَارِجُ عَنِ الْمَذَاهِبِ الْأَرْبَعَةِ ضَالٌّ مُضِلٌّ، وَرُبَّمَا أَدَّاهُ ذَٰلِكَ لِلْكُفْرِ؛ لِأَنَّ الْأَخْذَ بِظَوَاهِرِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ مِنْ أُصُولِ الْكُفْرِ . اهـ مِنْهُ بِلَفْظِهِ.“

یعنی مذاہب اربعہ کے علاوہ کی تقلید جائز نہیں، خواہ وہ صحابہ کے اقوال اور صحیح حدیث کے موافق ہی ہو، مذاہب اربعہ سے نکلنے والا گمراہ اور گمراہ کن ہے۔ مذاہب سے خروج ہوسکتا ہے کہ اسے کفر میں پہنچادے کیونکہ کتاب وسنت کے ظاہری معنیٰ پر عمل کرنا کفر کے اصول میں سے ہے۔ الخ

میرے بھائی! اللہ تم پر رحم کرے، دیکھو اس بات کے کہنے والے نے کس قدر گھناؤنی اور باطل بات کہی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ، اس کی کتاب، نبی ﷺ اور آپ کی سنت اور آپ کے صحابہ عظام کے حق میں کتنی بڑی جرأت کی ہے۔ اے اللہ تو پاک ہے اس نے بڑا بہتان باندھا ہے۔ اس کا یہ کہنا کہ مذاہب اربعہ سے خروج جائز نہیں، اگرچہ مذاہب کتاب وسنت اور اقوال

صحابہ کے مخالف ہوں تو اس کی یہ بات کتاب وسنت، اجماع صحابہ اور ائمہ اربعہ کے اجماع کی روشنی میں باطل ہے۔ جو بھی اس قول کی تائید کرے وہ بذات خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔ اور اس کا یہ کہنا بھی بہت بڑا باطل اور جھوٹ ہے کہ کتاب وسنت کے ظاہر معانی کو لینا کفر کی بنیادوں میں سے ہے اور اس کا کہنے والا کتاب وسنت رسول ﷺ کی حرمت کو پامال کر رہا ہے، یہ بہت بڑا بہتان ہے۔

قول حق جس میں کوئی شک نہیں وہی ہے جس پر صحابہ رسول ﷺ اور عام مسلمان ہیں کہ کتاب وسنت کے ظاہری معانی کو کسی حال میں اور کسی وجہ سے چھوڑنا جائز نہیں۔ جب تک کہ اس ظاہر معنیٰ کو دوسرے معنیٰ میں پھیرنے والی کوئی شرعی صحیح دلیل نہ ہو۔

کتاب وسنت کے ظاہری معانی پر عمل کو کفر کے اصول کہنے کی بات کتاب وسنت کا ایک عالم شخص ہرگز نہیں کہہ سکتا۔ یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جو کتاب وسنت کے علم سے کورا ہو، اپنی جہالت کی بنا پر ظواہر کتاب وسنت پر عمل کرنے کو کفر سمجھتا ہے۔

فَصْل 12

تعلیم وتربیت کے لیے فقہ صحیح کی تجویز

تعلیم وتربیت کے لیے فقہ صحیح کی تجویز

فقہ صحیح سے میری مراد عقیدے اور احکام وفروع سے متعلق فقہ ہے۔

عالم اسلامی میں تعلیم کے ذمہ داران خصوصاً ہر مرحلے کے مدرسین واساتذہ کا فرض ہے کہ وہ دینی مواد کو نئے سرے سے ترتیب دینے کے بارے میں سوچیں وہ اس طرح کہ پرائمری اور مڈل اسکولوں میں صرف راجح مسائل کا ذکر ہو، اختلافی مسائل ہرگز نہ چھیڑے جائیں، جیسا کہ بفضل اللہ سعودیہ عربیہ کے مناہج تعلیم میں ہو رہا ہے۔

ثانوی مرحلے میں کچھ توسع کے ساتھ اختلاف کا ذکر کر کے راجح مسئلے کا ذکر ہو۔

کالج کے مرحلے میں طلبہ کے افہام کے مطابق مزید توسع ہو۔ فقہ مقارن پڑھایا جائے یعنی مختلف مذاہب سے استفادہ کے لیے مختلف اقوال کا ذکر ہو لیکن شرط یہ ہے کہ کتاب وسنت سے راجح مسائل کی نشاندہی ہو۔

اس زمانے میں ہائیر اسٹڈیز (التعلیم العالی) کا ہر ملک میں جال بچھا ہوا ہے۔ بڑے بڑے معاہد ومدارس وجامعات ہیں ایم۔اے۔ پی، ایچ، ڈی۔ کی ڈگریاں لی اور دی جاتی ہیں۔ تعلیم عالی (Higher Education) کے مرحلے میں ضروری ہے کہ طلبہ کو فقہ الکتاب والسنۃ کی تدریب اور ٹریننگ دی جائے۔

یعنی طلبہ تمام مذاہب اور ان کی دلیلوں کو دیکھ کر ان کے درمیان سے راجح بالکتاب والسنۃ

مسائل کو جاننے پہچاننے اور کشید کرنے کی عادت ڈالیں۔

بلکہ اس مرحلے میں یا کسی بھی مرحلے میں طلبہ کو یہ سمجھانا حرام ہے کہ تمام مذاہب کے تمام اقوال حق ہیں، کسی پر انکار جائز نہیں! کسی دوسرے پر انکار نہ کرنے کی بات صرف مسائل اجتہاد میں کی جاسکتی ہے۔ جن میں کتاب وسنت کے نصوص نہ ملے ہوں۔

ہم سب کو اللہ کے سامنے کھڑا ہونا ہے، اللہ ہم سے ان طلبہ کے بارے میں پوچھے گا **"کلکم راع وکلم مسؤول عن رعیتہ"** کے تحت ہمارا حساب ہوگا۔ حساب لینے والا بڑا لطیف وخبیر ہے۔ اللہ کے واسطے تعصب مذاہب کو چھوڑ کر ہم سب صرف اللہ ورسول کے لیے تعصب رکھیں۔

تو کالج اور تعلیم عالی کے مراحل میں خصوصی طور پر طریقہ تدریس یہ ہو کہ کسی بھی مسئلے میں تمام مذاہب کے اقوال کو دیکھ کر کتاب وسنت، اقوال صحابہ اور اجماع صحابہ کے موافق قول کو ترجیح دی جائے، ورنہ اللہ کے حق میں کفران نعمت ہوگا کہ علم کے وسائل کی فراوانی وکتب تفاسیر واحادیث سے استفادہ کے اس آسانی کے دور میں بھی ان سے استفادہ نہ کر کے اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کے اقوال کو کافی سمجھ کر ہم بیٹھے رہے اللہ کی جناب میں بہت بڑی ناشکری ہوگی۔

ان شاء اللہ! مذکورہ طرق تعلیم سے تعصب مذاہب اعتقادی ہو یا فروعی ان میں کمی تو ضرور آجائے گی اگرچہ پورے طور پر ختم نہ ہوسکے۔

کچھ مربین واساتذۂ شریعت سے یہ بات سننے میں آتی ہے کہ فقہ کو سیکھنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ طالب علم مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی مختصر یا متوسط کتاب لے کر حفظ کر ڈالے، اسے اسی مذہب کے متخصص عالم سے پڑھ کر سمجھ لے۔ پھر اسی مذہب کی دوسری کتابوں کو بتدریج پڑھے تا کہ اس مذہب میں اسے درک حاصل ہوجائے۔ یا پھر ہر مذہب کی کوئی مختصر یا متوسط کتاب سمجھے اور پڑھے۔

درحقیقت نتیجہ پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس طرح کے طریقہ تعلیم سے صرف خاص مذہب کا عالم ہی نکلے گا۔ یا پھر اگر دوسرے مذاہب کو بھی پڑھنا چاہتا ہے تو ظاہر ہے کہ ان مذاہب میں بھی وہی بات ہے کہ اس کے تمام مسائل کو صواب نہیں کہا جا سکتا۔ اس طرح صرف تعصب مذاہب ہی کی پرورش ہوگی۔

یہاں تو مقصد یہ ہے کہ تعصب کو کیسے ختم کیا جائے۔ اگر کسی مذہب کی کسی کتاب کو تحقیق وترجیح سے نہ پڑھا گیا تو ظاہر ہے کہ طالب علم کو راجح ومرجوح کا علم نہ ہوگا۔

اس لیے تجویز اور مشورہ یہ ہے کہ کتاب وسنت کی دلیلوں سے راجح مسائل کے مختصر، متوسط اور مطول متون جمع کئے جائیں، تاکہ طلبہ کے اذہان کو راجح مسائل کی طلب کے لیے ہموار کیا جا سکے۔

نتیجتاً کسی خاص مذہب کا تعصب طالب علم کے ذہن میں نہ آئے گا۔

اللہ تعالیٰ نے جس قدر پرانے زمانے میں مسلمانوں میں اچھے سے اچھے علماء اور ائمہ پیدا کئے تھے اور انہوں نے بقدر امکان امت کی پورے اخلاص کے ساتھ خدمت کی تھی، اس زمانے میں بھی اللہ کی زمین میں علماء حق موجود ہیں جو ائمہ سابقین کے علوم سے استفادہ کر کے اس قسم کی تالیفات مہیا کر سکتے ہیں۔

نیز اس چیز کی تاکید بھی ضروری ہے کہ عقیدہ سلف نبی کریم ﷺ اور صحابہ وتابعین وائمہ عظام سے متعلق الحمد للہ بہت سی تالیفات مہیا ہیں۔ صرف فرعی مسائل ہی میں تالیفات کی ضرورت ہے۔

اور جب تک اس قسم کے متون وتالیفات مہیا نہ ہو سکیں اس وقت تک طریقہ تعلیم اس طرح ہو کہ کسی بھی مذہب کی اُقرب الی الکتاب والسنۃ کتاب کو اختیار کر لیا جائے۔ پھر مدرس محترم اس

کتاب کو ادلہ صحیحہ کی روشنی میں پڑھائیں اور اس کتاب کے مسائل کی دلیلوں کو اکٹھا کر کے طالب علم کو استفادہ کے لیے ابھارا جائے جس طرح کہ بہت پہلے ''السلسبیل فی معرفۃ الدلیل'' کے مؤلف نے ایک خوش گوار کوشش کی تھی۔ جزاہ اللہ خیراً۔

یہ ضروری نہیں کہ ہر مرحلے کے طالب علم کے سامنے دلیل کا بھی ذکر ہو لیکن کم از کم معلم محترم اس کی روشنی میں اگر کوئی مسئلہ مرجوح ہو تو طالب علم کو تنبیہ کر دیں، بلکہ نوٹ لکھا دیں کہ یہ مسئلہ دلیل کے خلاف ہے۔

اس کی ایک بڑی واضح مثال پیش کرنا چاہتا ہوں کہ ''زادالمستقنع'' میں ہے:

''ویکره دخوله (أي القاضي لحاجته) أو دخول الخلاء، بشيء فيه ذكر الله تعالى إلا لحاجة، ورفع ثوبه قبل دنوه من الأرض، وكلامه فيه، وبوله في شق ونحوه، ومس فرجه بيمينه، واستنجاوه واستجماره بها، واستقبال النيرين''۔

یعنی قضائے حاجت کرنے والے پر مکروہ ہے کہ بیت الخلاء میں کوئی ایسی چیز داخل کرے جس میں اللہ کا ذکر ہوالا یہ کہ مجبور ہو۔ اسی طرح زمین سے قریب ہونے سے پہلے کپڑا اٹھائے اور اس حالت میں بات کرے، اور کسی سوراخ وغیرہ میں پیشاب کرے اور اپنی شرمگاہ کو دائیں ہاتھ سے چھوئے یا دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے۔ اسی طرح سورج اور چاند کو سامنے کر کے قضاء حاجت کرے مکروہ ہے''۔

مزید اور دوسرے مسائل کا بھی ذکر ہے ان میں سے ہر ایک قول کی کوئی نہ کوئی دلیل ہے۔ البتہ سورج اور چاند کو سامنے کرنے کراہت پر کوئی دلیل نہیں۔

مؤلف کے اس قول پر علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے اپنی تعقیب اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

سورج اور چاند کو سامنے کر کے قضاء حاجت کرنے کی کراہت پر کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کی علت بیان کی گئی ہے وہ یہ کہ ان میں اللہ کا نور ہے۔ مگر یہ نور وہ نور نہیں جو اللہ کی صفت ہے بلکہ وہ نور مخلوق ہے جس طرح ستاروں میں نور ہے۔

اگر یہ علت معتبر ہوتی تو کہا جاتا کہ جس چیز میں نور اور روشنی ہے اس کو یہاں تک کہ تاروں کو بھی قضاء حاجت کے وقت آگے پیچھے کرنا مکروہ ہوتا۔

اور یہ علت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ''لاَ تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلاَ تَسْتَدْبِرُوهَا وَلَكِنْ شَرِّقُوا اَوْ غَرِّبُوا'' (قضائے حاجت کے وقت نہ قبلہ کو آگے کرو اور نہ پیچھے لیکن مشرق اور مغرب کی طرف کرو) سے ٹکراتی ہے۔ اور یہ بات واضح ہے کہ جو شخص مشرق اور مغرب کی طرف اپنا چہرہ کرے گا یا پیٹھ کرے گا تو سورج کے طلوع وغروب کے وقت سورج کو آگے یا پیچھے ضرور کرے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ نہیں کہا: کہ مشرق اور مغرب کی طرف اپنا چہرہ کرو۔ الا یہ کہ سورج اور چاند تمہارے سامنے ہوں۔

اس لیے صحیح مسئلہ یہ ہے کہ بوقت قضائے حاجت سورج اور چاند کی طرف چہرہ یا پیٹھ کرنا مکروہ نہیں۔ کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں بلکہ دلیل جواز کے لیے ہے۔

یہاں پر علامہ ابن عثیمین نے مکمل انصاف کے ساتھ اصولی طور پر مسئلہ کی تحقیق کر کے بلا تقلید دلیل کی روشنی میں صحیح مسئلہ کی نشاندہی کی ہے۔ جزاہ اللہ خیراً۔

اسی طرح کالج یا تعلیم عالی میں طلبہ کی تربیت ہو، مذاہب کی کتابوں کے مطالعہ اور تمام بحوث میں ان سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی تعلیم مکمل کریں۔ کیونکہ تمام ائمہ پوری امت کے ائمہ ہیں کوئی امام کسی کے ساتھ خاص نہیں۔

ایم۔اے اور پی۔ایچ۔ڈی کے مراحل میں تو کسی طرح طلبہ کو اجازت نہیں ہونی چاہئے کہ

اپنے بحوث میں بغیر دلیل کے کوئی بات کہیں! بلکہ ادلہ مختلفہ میں سے راجح دلیل سے مسئلہ کا استنباط کریں۔ کیونکہ اس زمانے میں ادلہ کے عدم اطلاع کا عذر کسی عالم کے لیے باقی نہیں رہ گیا۔

تفسیر وحدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابیں اکٹھا کر دی گئی ہیں۔خصوصاً حدیث رسول سے متعلق ایسی خدمات وجود میں آچکی ہیں جن کا وجود گزشتہ صدیوں میں نہ تھا۔احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم، آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کی تحقیق، ان کی تصحیح وتضعیف کا بڑا مواد امت کے درمیان موجود ہے۔

فقہ مذاہب کی احادیث کی تحقیق اور تصحیح وتضعیف بھی ہوچکی ہے۔ایک عالم دین جس نے کم ازکم بیس پچیس سال اپنی عمر عزیز کا حصہ قرآن وسنت اور عربی زبان کے پڑھنے اور سمجھنے میں لگایا ہے، خصوصاً قوم کے ان افراد کے لیے صحیح احادیث اور ضعیف احادیث کی پہچان کے لیے بہت سی آسانیاں مہیا ہوگئی ہیں۔

میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر کوئی عربی زبان کا عالم ہے علوم شریعت میں متخصص نہ بھی ہو، وہ بھی ان کتابوں سے استفادہ کر کے صحیح اور ضعیف احادیث کی پہچان کرسکتا ہے۔

قرآن کریم کی تفسیر سے متعلق احادیث وآثار کی الگ تدوین ہوچکی ہے، ناسخ ومنسوخ اور دوسرے اہم علوم کی موثوق کتابیں بھی مہیا ہوچکی ہیں۔نئی ایجادات کمپیوٹر وغیرہ کے ذریعہ بھی بہت کچھ استفادہ ہوسکتا ہے۔

ایسے میں صف علماء کتاب اور سنت کی نعمت کی قدر نہ کرتے ہوئے اب بھی ان کے سمجھنے کی کوشش نہ کریں تو یقینا {اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا} کا سب سے پہلا نشانہ وہی بنیں گے۔

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے والوں کے لیے اس زمانے میں علامہ البانی رحمہ اللہ کی

کتابوں اور بحثوں سے بھی بہت فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

یہاں بھی علامہ شنقیطی رحمہ اللہ کا ایک قیمتی اور تحقیقی کلام نقل کر رہا ہوں، بھائیوں سے گزارش ہے کہ غور کرنے کی کوشش کریں۔

آپ نے فرمایا کہ: ’’میرے انصاف پسند مسلمان بھائی! تمہارے اوپر اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ہر قدیم وجدید مسائل سے سیکھنا اور اللہ کے دیئے ہوئے اس علم پر عمل کرنا واجب ہے۔

یہ جان لو! کہ اس زمانے میں کتاب وسنت کا سیکھنا قرون اولی کی بہ نسبت بہت زیادہ آسان ہے۔ کیونکہ کتاب وسنت سے متعلق ناسخ ومنسوخ، عام وخاص مطلق ومقید، مجمل اور مبین، اسی طرح سے احادیث کے راویوں کی شناخت اور صحیح اور ضعیف احادیث کی تمیز اب اس زمانہ میں بہت زیادہ آسان ہوگئی ہے۔ کتاب اللہ کی ایک ایک آیت کے متعلق احادیث، آثار صحابہ وتابعین اور اقوال مفسرین ہمارے سامنے ہیں۔

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی سب کی سب مدون ہو چکی ہے اور ان کی اسانید اور متون کا علم اور اسباب صحت وضعف بھی واضح طور پر علماء کے علم میں ہے۔ اس لیے اجتہاد کے جن شروط کی ضرورت کا ذکر علماء نے کیا ان کا حصول بھی اللہ تعالی جن کو علم وفہم دے ان کے لیے بہت آسان ہے۔ احادیث کے ناسخ ومنسوخ، مطلق ومقید خاص وعام کے علم کا حصول بھی اس زمانے میں بہت آسان ہو چکا ہے۔‘‘(۱)

علامہ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ ۱۳۸۸ھ میں مدینہ منورہ تشریف لائے۔ علامہ شیخ عمر فلاتہ رحمہ اللہ کے یہاں مہمان رہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہم اس وقت جامعہ اسلامیہ مدینۃ الرسول

(۱) اضواء البیان: ۷/ ۴۳۷، ۴۳۸۔

میں پڑھ رہے تھے، بہت بڑی غنیمت کا موقع تھا۔ جامعہ کے طلبہ، اساتذہ اور دوسرے لوگوں کا ان کی مجلس میں بڑا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ میں نے شاید ہی عصر کے بعد کی کوئی مجلس چھوڑی ہو بلکہ میں دن میں کلاسوں سے غائب ہو کر ان کی مجلس میں پہنچ جایا کرتا تھا۔

سوال وجواب کا سلسلہ چلتا، میں بہت کچھ سوالات کرتا۔ مجھے یاد ہے کہ ایسا بھی ہوتا کہ کبھی مجلس میں سکوت ہوتا تو علامہ البانی کہتے:

"یا أهل الهند! هل عندکم شيء؟"۔

ہندوستان والو! تمہارے پاس کوئی سوال ہے؟

بہر حال اس مجلس میں میں نے سوال کیا کہ ابن الصلاح رحمہ اللہ نے اپنے علوم الحدیث 'مقدمہ ابن الصلاح' میں ساتویں صدی ہجری ہی میں کہہ دیا تھا کہ:

اگر ہمیں حدیث کی کتابوں میں حدیث صحیح سند سے بھی مل جائے۔ لیکن وہ حدیث صحیحین میں نہ ہو اور نہ ہی وہ ائمہ حدیث کی معتمد اور مشہور تصانیف میں ملے تو ہم اس کی صحت کا حکم لگانے کی جسارت نہیں کریں گے۔ کیونکہ ان زمانوں میں صرف اسانید کو دیکھ کر مستقل طور پر صحیح حدیث کا معلوم کرنا محال ہے۔ (۱)

تو اس کو لے کر لوگ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں تصحیح وتضعیف کرنا یا صحیح یا ضعیف حدیث کا پہچاننا ممکن نہیں۔ عموماً یہ بات وہی لوگ کہتے ہیں جو مذاہب اربعہ کے مقلدین ہیں اور مذہب کے علاوہ کسی اور چیز کو قبول نہیں کرنا چاہتے۔

اس پر علامہ البانی نے جواب دیا کہ لوگوں کا یہ کہنا صحیح نہیں! کیونکہ حدیث شریف کے علوم اور قواعد ہمارے سامنے ہیں، جرح وتعدیل کے قواعد واضح طور پر کتابوں میں منضبط ہیں۔

---

(۱) علوم الحدیث، ص: ۱۲، ۱۳۔

زمانہ قدیم کی بہ نسبت اس زمانے میں احوال الرجال اور جرح کے قواعد کو استعمال کر کے احادیث پر صحیح وضعیف کا حکم لگانا بہت ہی آسان ہوگیا ہے۔ حدیث کے مخطوطات کے فوٹو حاصل کئے جارہے ہیں۔ اور بلاد اسلامیہ میں انہیں عام کیا جارہا ہے۔ متابعات اور شواہد کو زیادہ سے زیادہ اکٹھا کر کے حدیث پر حکم لگایا جاسکتا ہے۔ انتہیٰ۔

گزارش ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے یہ بات چالیس پچاس سال پہلے کہی تھی جب کہ مخطوطات احادیث سے استفادہ ہمارے اس زمانے کی بہ نسبت مشکل تھا۔ اور نئے آلات خصوصاً کمپیوٹر کی ایجاد ہی نہ ہوئی تھی، جس کے ذریعہ منٹوں اور گھنٹوں میں وہ معلومات اکٹھا کی جارہی ہیں۔ جو آج سے پچاس سال پہلے ہفتوں اور مہینوں میں کرتے تھے۔

بلکہ اس زمانے میں احادیث رجال اور طرق حدیث کا جتنا مواد ایک دن میں اکٹھا کر کے فوراً اس کو چھاپ کر کاغذ پر لایا جاسکتا ہے۔ قدیم زمانے میں یا قریب کے زمانے میں سال میں وہ کام ہوتا تھا۔

اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں، بلکہ اقدم زمانے میں تو وہ مواد بہت ہی کٹھن اور مہلک سفر کر کے بھی حاصل نہیں ہوتا تھا۔

ابھی سو(100) یا اسی (80) سال کی بات ہوگی کہ علامہ عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ جب سنن ترمذی کی شرح ''تحفۃ الاحوذی'' کی تالیف فرمارہے تھے تو ان کے پاس تہذیب التہذیب اور ثقات ابن حبان کا نسخہ بھی نہ تھا۔ نہ ان کے قریب کے شہروں میں تھا بوقت ضرورت ان کتابوں کے مراجعہ کے لیے صوبہ بہار ڈیانواں سینکڑوں میل کا سفر کر کے مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ کے مکتبہ سے استفادہ کرنے جایا کرتے تھے۔

البتہ اس پر تاکید ضروری ہے کہ کمپیوٹر کو صرف ایک فہرست کی حیثیت سے استعمال کیا جائے!

اس کے ذریعے مصادر ومراجع کی معلومات لے کر اصل مصادر سے رجوع کر کے ہی حدیث وآثار کو نقل کیا جائے۔ کیونکہ اس میں بہت کچھ غلطیاں ہوسکتی ہیں اور ہیں بھی۔ اس فصل کو علامہ ابوشامہ مقدسی رحمہ اللہ (۵۹۹-۶۵۶ھ) کی ایک تجویز کا ذکر کر کے ختم کرنا چاہتا ہوں۔

کہتے ہیں: ''کہ جب سے اللہ رب العزت نے شریعت کے علم میں مشغول رہنے نیز کتاب وسنت کے معانی اور اتفاق واختلاف کو سمجھنے کی توفیق دی، میں سوچ رہا تھا کہ فقہ کو سلف کے طریقہ پر کتاب وسنت اور اقوال السلف کے ذریعہ سمجھ کر راجح مسائل کے مجموعہ کی شکل میں اکٹھا کروں۔ دل چاہتا تھا کہ کوئی دوسرا یہ کام کرے یا کئے ہوتا۔

ہمارے اصحاب اور دوسرے مذہب کے لوگوں کا حال یہ ہے کہ ہر ایک اپنے مذہب ہی پر تعصب برتا اور ہر مسئلے میں اپنے ہی امام کے قول کو ترجیح دیتا ہے۔

حالانکہ سب کا فرض یہ ہے کہ ائمہ کے اختلاف کو دیکھنے کے بعد کتاب وسنت کے دلائل دیکھ کر کتاب وسنت سے اقرب قول کو ترجیح دیں۔ اس صورت میں بہت سے مسائل میں اختلاف زائل ہوسکتا ہے۔ چند مسائل ہی میں ان شاء اللہ اختلاف باقی رہ سکتا ہے۔ [۱]

اللہ کی رحمت ہو ابوشامہ پر کہ انہوں نے کتنی قیمتی نصیحت کی ہے لیکن کیا ہمارے علماء کرام اس پر غور کریں گے؟

اللہ رب العزت کے دربار میں میری التجا ہے کہ اس کتاب کو امت کے لیے مفید بنائے! مجھے، میرے والدین اور میرے تمام اساتذہ کو اجر عظیم سے نوازے۔ خصوصاً یہ کتاب علماء کرام کے سامنے پیش کر رہا ہوں، اگر کسی بزرگ کو اس میں کوئی معنوی غلطی نظر آئے تو مجھے اطلاع فرمائیں تاکہ میں اس سے رجوع کرلوں۔ نیز مجھے احساس ہے کہ کچھ لوگ اس موضوع کو قبول نہ کریں

---

(۱) خطبۃ الکتاب المؤمل، ص: ۱۰۷۔

گے۔ ہوسکتا ہے مجھے سخت سست بھی کہیں تو میں انہیں پہلے سے ہی معاف کر دیتا ہوں لیکن انہیں یاد دلاتا ہوں کہ:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾ (ق:۱۸)

یعنی انسان کوئی لفظ بولتا ہے تو چست وچوبند فرشتے اسے نوٹ کر لیتے ہیں۔

کو ذہن میں رکھ کر سوچ سمجھ کر کچھ کہنے اور لکھنے کی ہمت کریں گے۔ دلوں کا حال اللہ ہی جانتا ہے۔ صرف اصلاح امت ہی کی خاطر یہ محنت کی ہے۔

إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّه.

اس معمولی کوشش کو اللہ رب العزت اپنے یہاں قبول فرما کر اپنے صالح بندوں کے یہاں بھی اسے مقبول بنائے۔ آمین۔

وصی اللہ محمد عباس

۲۵ / محرم ۱۴۳۲ھ

مدرس ومفتی مسجد حرام وپروفیسر ام القریٰ یونیورسٹی

وادی بشم، شارع الحج، مکہ المکرمہ